پیغمبر امی

مصنف: معلم شہید آیت اللہ مرتضیٰ مطہری

مترجم
محمود سروش

ناشر
خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران۔
بمبئی

نام کتاب: پیغمبر امی
مصنف:۔ آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہری
مترجم:۔ محمود سروش

ناشر:۔ خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران
کروے روڈ۔ چرنی روڈ بمبئی ۴

تعداد اشاعت:۔ پانچ ہزار
تاریخ اشاعت:۔ جنوری ۱۹۸۵ء

اھـــداء

ان دینداروں کے نام جنھیں تحقیق کا شوق ہے

مترجم

فہرست

اھداء
عرض مترجم
پیامبر امی
دوسروں کے اعترافات
حجاز میں تحریر کا رواج
عہد رسالت
آنحضرت کے کاتب
حدیبیہ کا واقعہ
عجیب دعویٰ
پہلا حصہ
امی کے معنی
دوسرا حصہ
مخالفوں کا اتہام
نتیجہ

عرض مترجم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَآلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الْمَعْصُوْمِيْنَ

اردو ادب میں دینی ادب پڑھنے والوں کے لئے شہید آیت اللہ مرتضیٰ مطہری کا اسم گرامی نیا نہیں رہا۔ آپ کے بہت سے مقالات تحادیہ انجمنہائے اسلامی دانشجویانی ایرانی ہند کی طرف سے اردو میں ترجمہ کر کے شائع ہو چکے ہیں۔ انسان اور اسلام۔ شہید، قیام و انقلاب مہدی ختم نبوت وغیرہ رسالے بہت مقبول ہو چکے ہیں اور اب ان میں سے بعض دستیاب بھی نہیں ہیں۔ ادھر خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران نے آپ کی کتاب اسلام میں مسئلہ حجاب بھی شائع کی ہے جو پردہ کی شرعی اور سماجی حیثیت پر چند نہایت اچھی کتابوں میں شمار ہو سکتی ہے۔

شہید مطہری امام خمینی رہبر انقلاب اسلامی و بانی جمہوری اسلامی ایران کے عزیز ترین شاگرد اور ان علماء میں سے ہیں جن کی محنت سے انقلاب پسند ایرانی عوام کا اسلامی ذہن تیار ہوا ہے۔ جب سابق فرماں روائے ایران اسلام کے فدائی ایرانی عوام کو بہکا کر مغرب کی عریانی اور عیاشی کی طرف ہکانے لئے چلے تھا آیات اللہ طالقانی، مطہری، صدوقی، دستغیب وغیرہ ہی وہ علماء تھے جو حضرت امام خمینی کی رہنمائی میں جدید مسائل پر اسلامی نقطۂ نگاہ سے لکھ کر بہک گئے اور بہک جانے والے ذہنوں کو بھی اسلام کی طرف پلٹا رہے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انقلاب اسلامی کی کامیابی کے بعد تباہ پرستوں اور غیر اسلامی عناصر نے ان علماء کو ختم کرنے کا پلان بنایا اور ایک کے بعد ایک کو گولیوں کا نشانہ بنا دیا۔ جس کی جتنی اہمیت تھی اتنا ہی پہلے اس کو شہید کیا گیا اور انقلاب کے فوراً

بعد منافقین کی گولیوں کا نشانہ بنائے جانے والے شہیدوں میں مطہری کو اولیت کا شرف حاصل ہے یقیناً ان کو شہید کرنے والوں کو یہ یاد نہ تھا کہ مطہری ایک ذات نہیں ایک ادارہ ہے اور جب تک ان کی کتابیں موجود ہیں اور پڑھی جائیں گی اس وقت تک انقلاب انگیز اسلامی ذہن تیار ہوتا رہیگا۔ مطہری جب کسی موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو ان کی فکر کسی ایک پہلو سے مسئلہ کا احصار نہیں کرتی بلکہ قرآن۔ حدیث فقہ۔ ادب۔ سائنس، فلسفہ، اجتماعیات وغیرہ وغیرہ کی روشنی میں اس مسئلہ کو دیکھتی ہے اور اس کے بارے میں جدید سے جدید موافق و مخالف افکار سے استفادہ کر کے وہ موضوع کا حق ادا کرتی ہے۔

زیر نظر مقالہ بھی ایسا ہی ہے۔ اس کا تعلق لفظ اُمّی کے معنی اور سرور کائنات علیہ الصلوٰت کے پڑھے لکھے ہونے سے ہے۔ یہ ایک بہت نازک مسئلہ ہے اور ہر زمانے میں نزاعی رہا ہے مسلمانوں کے ہر فرقے کے علماء میں اس مسئلہ پر اختلاف رہا ہے یہ تو کوئی بھی نہیں مانتا کہ آنحضرت نے قبل بعثت یا بعد بعثت کسی سے لکھنا پڑھنا سیکھا ہے یا کسی بھی مدرسے میں گئے ہیں اسلئے یہ امر متفقہ ہے لیکن اس امر میں اختلاف ہے کہ حضور نے کبھی لکھا ہے یا خود پڑھا ہے۔ قبل بعثت تو اس کا کوئی ثبوت نہیں بعد بعثت شاذونادر ایسی روایتیں مل جاتی ہیں جن سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ آپ نے لکھا یا پڑھا ہے لیکن یہ روایتیں علماء کی غالب اکثریت کے نزدیک معتبر نہیں ٹھہرتیں البتہ حسن عقیدت نہیں چاہتا کہ ان تنکے کے سہارے کو چھوڑ دیا جائے چنانچہ اب سے تقریباً ۱۰ سال پہلے ہمارے ملک میں بھی اس مسئلہ پر گرما گرم بحث رہی ہے اور اس موضوع پر کافی لکھا گیا۔ شہید مطہری کا نظریہ اس مسئلہ میں

ہمارے ناصر الملۃ اعلی اللہ مقامہ کے موقف کے مطابق ہے۔ چونکہ شہید مطہری نے کچھ جدید علماء ومستشرقین کے نگارشات سے بھی اپنے مقالے میں استفادہ کیا ہے اس لئے اس مقالے کو ترجمے کی صورت میں پیش کر کے دعوت فکر دی جارہی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اس مقالے کے دلائل و نتائج سے بالکل متفق ہوں اور نہ مقصد اس کو منوانا ہے البتہ یقین یہ ہے کہ اس سے آپ کی معلومات میں کچھ اضافہ ضرور ہوگا۔

میں نے کوشش کی ہے کہ ترجمہ عام فہم اور رواں ہو ہو سکتا ہے کہ کہیں غلطی بھی کی ہو اس لئے متمنی ہوں کہ قارئین کرام کو جہاں کوئی غلطی نظر آئے مجھے اس سے باخبر کریں تاکہ آئندہ اشاعت میں اصلاح ہو جائے۔

والسلام

محمود سروش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ نہ وہ سبق پڑھے ہوئے تھے نہ مکتب دیکھا تھا نہ کسی استاد سے پڑھا نہ تھا اور نہ کسی قسم کی تحریر، کتاب یا کاپی سے آشنا تھے۔

ایک بھی مورخ چاہے وہ مسلمان ہو چاہے غیر مسلم اس بات کا مدعی نہیں کہ آں حضرت بچپن میں یا جوانی میں بڑھاپے کا تو ذکر ہی کیا ہے کہ وہ زمانہ رسالت تھا کسی سے کچھ پڑھنا یا لکھنا سیکھا ہو۔ اسی طرح کسی نے یہ دعویٰ بھی نہیں کیا نہ ایسے کسی موقع کا ذکر کیا ہے جب آنحضرت نے بعثت سے پہلے ایک سطر بھی پڑھی یا ایک لفظ بھی لکھا ہو۔

عرب کے لوگ خاص کر حجازی عرب اس زمانے اور اس وقت کے لوگ ان پڑھ تھے۔

اس زمانے اور اس وقت کے لوگ بلکہ عرب کے باشندے خاص کر حجازی عرب ان پڑھ تھے۔ ایسے افراد جو لکھ پڑھ سکتے تھے نمایاں تھے اور انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔ عام حالات میں یہ ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص ایسے ماحول میں اس ہنر کو جانتا ہو اور لوگوں میں اپنی اس خصوصیت کی بنا پر مشہور نہ ہو۔

چنانچہ ہم جانتے ہیں اور آگے چل کر اس پر بحث بھی کریں گے کہ آنحضرت کے مخالفین نے اس عہد کے لوگوں کی اڑائی ہوئی افواہوں کو بھی بنیاد بنا کر آپ پر تہمت لگائی ہے لیکن اس سلسلے میں یہ تہمت نہیں لگائی کہ چونکہ لکھے پڑھے تھے حرف شناس تھے ان کے پاس

کتابوں کا ذخیرہ تھا اس لئے جو باتیں پیش کرتے ہیں انہیں کتابوں سے فائدہ اٹھا کر پیش کرتے ہیں۔ اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذرا بھی لکھنا پڑھنا جانتے تو ان پر یہ الزام تو مزید آجاتا۔

دوسروں کا اقرار:۔

ان مستشرقین کو بھی جو تاریخ اسلام کو بڑی ہی تنقیدی نظر سے دیکھتے ہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے لکھنے پڑھنے کا کوئی سراغ نہیں ملا۔ انہوں نے بھی اعتراف کیا ہے کہ وہ سبق پڑھے ہوئے نہ تھے اور وہ ایک ایسی قوم سے اٹھے تھے جو ان پڑھ تھی۔

کارلائل نے اپنی کتاب الطال وابطال پرستی (ہیرو اینڈ ہیرو ورشپ) میں کہا ہے۔

"ایک بات ہمیں نہ بھولنا چاہیئے اور وہ یہ ہے محمدؐ نے کسی استاد سے کوئی سبق نہیں پڑھا تھا فن تحریر عربوں میں نیا نیا تھا۔

میرا ماننا یہ ہے کہ حقیقتاً محمدؐ لکھنا پڑھنا نہیں جانتے تھے۔ انہوں نے صحرائی زندگی کے سوا کچھ نہ پڑھا تھا۔"

ول ڈیورانٹ اپنی تاریخ تمدن میں کہتا ہے۔

بہ ظاہر کسی کو اس کی فکر نہ تھی کہ وہ (رسول اکرم) لکھنا پڑھنا سیکھیں۔ اس زمانے میں عربوں کے نزدیک لکھنے پڑھنے کا ہنر کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا اس لئے قبیلہ قریش میں ۱۷ افراد سے زیادہ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے۔ یہ نہیں معلوم کہ محمدؐ نے کوئی چیز خود لکھی ہو بعثت کے بعد آپ کے پاس مخصوص کاتب تھے۔ اس کے باوجود عربی زبان کی سب سے زیادہ مشہور اور بلیغ کتاب آپ کی زبان سے جاری ہوئی اور آپ معاملات کی گہرائی کو تعلیم یافتہ

لوگوں سے زیادہ سمجھتے تھے۔

جان ڈیون پورٹ نے کتاب "این اپولوجی فور محمد اینڈ قران" میں لکھتا ہے۔

"دنیاوی معمول کے مطابق علم حاصل کرنے اور سیکھنے کے بارے میں سب یہ جانتے ہیں کہ محمدؐ نے کسی سے علم نہیں حاصل کیا اور سوا اس علم کے جو ان کے قبیلے میں رائج اور عام تھا انہوں نے کوئی چیز سیکھی نہ تھی۔"

کونستانس درجل گیورگیو نے "محمد پیغمبر جسے از سر نو پہچاننا چاہیئے" نامی کتاب میں لکھا ہے۔

"باوجودیکہ وہ امی تھے اولین آیات میں جو ان پر نازل ہوئیں قلم اور علم کا ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی لکھنے لکھانے سیکھنے اور تعلیم دینے کی باتیں ہیں۔ کسی بھی بڑے دین میں اس حد تک معرفت کو اہمیت نہیں دی گئی اور ایسا کوئی دین نہیں مل سکتا جس کی ابتداء ہی میں معرفت کی اتنی قدر و اہمیت ہو۔ اگر محمدؐ عالم ہوتے تو ایک غار) میں ان آیات کا نزول حیرت کا باعث نہ ہوتا کیوں کہ عالم علم کی قیمت جانتا ہے لیکن وہ تو ان پڑھ تھے کسی پڑھانے والے سے کوئی سبق نہیں لیا تھا۔ میں مسلمانوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ ان کے دین میں ابتدا ہی سے علم کی اتنی اہمیت ملتی ہے۔"

گستاو لی بون اپنی مشہور کتاب تمدن اسلام و عرب میں کہتا ہے۔

"اس طرح مشہور ہے کہ پیغمبر امی تھے اور یہ قرین قیاس بھی ہے کیوں کہ پہلی بات یہ ہے کہ اگر اہل علم میں سے ہوتے تو قرآن کے مطالب اور فقرے میں اس سے بہتر ربط ہوتا (جیسا اب ہے) اس کے علاوہ یہ بھی قرین قیاس ہے کہ اگر پیغمبر

امی نہ ہوتے تو ایک نیا مذہب نہ ایجاد کر سکتے نہ پھیلا سکتے کیوں کہ ایک امی شخص ہی جاہلوں کی ضرورتوں کو بہتر سمجھ سکتا ہے اور انہیں بہتر طریقہ سے راہ راست پر لا سکتا ہے۔ بہر حال پیغمبر امی ہوں یا نہ ہوں اس بات سے ہرگز انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ عقل و فراست و ہوشش کے بلند ترین درجہ پر فائز تھے۔

چونکہ گستاولی بون قرآن مجید کے مفاہیم سے واقف نہ تھے اور ان کی فکر مادی تھی اس لئے آیات قرآنی کے باہمی ربط کے بارے میں یہ بیہودہ بات کہدی اور یہ ایک جاہلانہ بات بھی کہی کہ عالم جاہلوں کی ضروریات کو سمجھ نہیں سکتا اس طرح قرآن مجید اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی۔ پھر بھی اسے اعتراف ہے کہ کوئی ایسی سند یا اشارہ کہیں موجود نہیں ہے جس سے معلوم ہو کہ پیغمبر اسلام لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

ان اقوال کو یہاں نقل کر کے ان کو دلیل بنانا مقصود نہیں ہے تاریخ اسلام دمشرق پر اظہار نظر کرنا خود مسلمانوں اور مشرق کے باشندوں ہی کے لئے مناسب ہے۔ یہاں ان کے اقوال تحریر کرنے کا مقصد یہ بتانا ہے کہ وہ لوگ جن کا مطالعہ نہیں ہے یہ جان لیں کہ اگر ذرا سا بھی کوئی اشارہ اس سلسلہ میں ملتا ہوتا تو وہ کرید کرنے والے اور نکتہ چینی کرنے والے غیر مسلم مورخوں کی نگاہ سے چھپا ہوا نہ رہتا۔

رسول اکرم (صلی اللہ علیہ آلہ) نے جو شام کے ایک سفر میں حضرت ابوطالب کے ساتھ تھے راستے میں ایک منزل پر آرام کرنے کے دوران ایک ہلکی سی ملاقات بحیرا نامی ایک راہب سے کی۔ اس ملاقات کی طرف مستشرقین نے بڑی توجہ کی ہے اور سوال اٹھایا ہے۔ کہ

کیا پیغمبر اسلام نے اس مختصر سی ملاقات میں اس سے کچھ سیکھا ہے ؟

جب ایک ایک ایسی مختصر سی ملاقات پہلے بھی اور آج بھی مخالفین کی توجہ اپنی طرف کھینچ سکتی ہے تو اگر رسول اکرم کے لکھنے پڑھنے کے بارے میں ذرا سی بھی کوئی سند موجود ہوتی تو ان کی نگاہوں سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی اور وہ اس گروہ کی تیز خرد بینوں میں کئی گنا بڑھا چڑھا کر نمایاں کی جاتی۔

اس بات کو واضح کرنے کیلئے ضرورت ہے کہ بحث دو حصّوں میں کی جائے۔

۱۔ بعثت سے پہلے کا دور

۲۔ عہد رسالت

عہد رسالت میں بھی اس بات کو دو پہلو سے دیکھنے کی ضرورت ہے

۱۔ لکھنا

۲۔ پڑھنا

اس کے بعد ہم وہ بات کہیں گے جو قطعی اور مسلم ہے اور جس پر مسلمان اور دوسروں کا اتفاق ہے وہ یہ کہ آپ بعثت سے پہلے لکھنا پڑھنا ذرا بھی نہ جانتے تھے لیکن عہد رسالت میں اس بات کا فیصلہ قطعی طور پر نہیں ہو سکتا عہد رسالت میں جو بات زیادہ مانی جاتی ہے وہ آپ کا نہ لکھنا ہے لیکن نہ پڑھنے کی بات تسلیم شدہ نہیں ہے۔ شیعوں کی کچھ روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ عہد رسالت میں پڑھ تو لیتے تھے لیکن لکھتے نہیں تھے اگرچہ شیعوں میں بھی اس بات پر مکمل اتحاد و اتفاق نہیں لیکن ساتھ قرینوں اور

دلیلوں کو سامنے رکھ کر جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ عہد رسالت میں بھی نہ پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے۔

اس سے پہلے کہ بعثت سے پہلے کے زمانے پر غور کریں ہمیں لازم ہے کہ اس زمانے میں ملک عرب کی عام حالت اور اس عہد میں لکھنے پڑھنے کے رواج کے بارے میں بحث کریں۔

تو تاریخ سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ظہور اسلام کے قریب لکھنے پڑھنے کے میدان میں بس چند ہی افراد موجود تھے۔

حجاز میں رسم الخط کی ایجاد۔

بلاذری نے فتوح البلدان کے آخر میں حجازی عربوں کے درمیان رسم الخط کے ایجاد کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

"پہلے پہل قبیلہ طے کے تین آدمیوں نے جو شام کے آس پاس کے علاقہ کے باشندے تھے رسم الخط کو وضع کیا اور عربی حروف ہجی کو سریانی حروف ہجا پر قیاس کیا۔ اس کے بعد اہل انبار میں سے کچھ لوگوں نے اس رسم الخط انکو تین شخصوں سے سیکھا اور حیرہ والوں نے انبار والوں سے سیکھا بشر بن عبد الملک کندی جو اکیدر بن عبد الملک کندی مسیحی کا بھائی تھا اور دومۃ الجندل کا رئیس تھا اپنے حیرہ آنے جانے میں حیرہ والوں سے عربی رسم الخط سیکھ لیا تھا یہی بشر ایک کام سے مکہ گیا تو سفیان بن امیہ یعنی ابو سفیان کے چچا اور ابو قیس بن عبد مناف بن زہرہ نے اسے لکھتے ہوئے دیکھا تو اس سے خواہش ظاہر کی کہ انہیں بھی لکھنا سکھائے۔ اس نے ان کو لکھنا سکھایا اس کے بعد ان دونوں شخصوں کے ساتھ ایک تجارتی سفر میں طائف

گیا۔ وہاں غیلان بن سلمہ ثقفی نے ان لوگوں سے طائف میں لکھنا سیکھا۔ اس کے بعد بشر ان دولوں سے الگ ہوگیا اور مصر کے علاقے میں چلا گیا۔ وہاں عمرو بن زرارہ نے جو بعد میں عمرو کاتب کے نام سے مشہور ہوا اس سے لکھنا سیکھا۔ اس کے بعد بشر شام گیا وہاں ایک بڑی تعداد نے اس سے یہ فن سیکھا۔

ابن الندیم نے کتاب الفہرست[1] مقالہ اولیٰ کے باب فن اول کے ایک حصے میں بلاذری کے اس قول کی طرف اشارہ کیا ہے[1]۔ ابن الندیم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے جنہوں نے عربی رسم الخط تیار کیا ہے وہ قبیلہ بولان کے تین آدمی تھے یہ قبیلہ انبار میں رہتا تھا۔ اہل حیرہ نے انبار کے لوگوں سے اس فن کو سیکھا۔

ابن خلدون نے بھی اپنے مقدمہ کی فصل ان الخط والکتابۃ من عداد الصنائع الانسانیۃ میں بلاذری کے بیان کا ایک حصہ نقل کرکے اس کی تائید کی ہے[2]۔

بلاذری نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ظہور اسلام کے وقت سارے مکہ میں چند ہی افراد باسواد تھے۔ وہ کہتا ہے۔

"اسلام کا جب ظہور ہوا ہے قریش میں صرف سترہ افراد لکھنے کا فن جانتے تھے عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب، عثمان بن عفان، ابوعبیدہ جراح، طلحہ، یزید بن ابوسفیان، ابوحذیفہ بن ربیعہ، حاطب بن عمرو عامری، ابوسلمہ مخزومی، ابان بن سعید اموی، خالد بن سعید اموی

۱۔ الفہرست مطبوعہ مطبعۃ الاستقامہ قاہرہ صد ۱۲
۲۔ مقدمہ ابن خلدون مطبوعہ ابراہیم حلبی صد ۲۹۴

عبداللہ بن سور بن ابی سرح، حوطب بن عبد العزیٰ، ابوسفیان بن حرب معاویہ بن ابوسفیان جہیم بن الصلع، علاء بن الحضرمی جو قریش میں سے نہ تھا بلکہ قریش کا حلیف تھا۔

بلاذری صرف ایک قریشی خاتون کا نام لیتا ہے جو ظہور اسلام سے قریب عہد جاہلیت میں لکھنا پڑھنا جانتی تھی وہ تھی شفا بنت عبداللہ عدوی۔ یہ خاتون مسلمان ہو گئی تھیں اور پہلی ہجرت کے مہاجرین میں شامل تھیں۔

بلاذری کہتا ہے

یہ وہی خاتون ہیں جنہوں نے ام المومنین حفصہ زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کو لکھنا سکھایا تھا اور ایک دن پیغمبر نے ان سے کہا تھا "الا تعلمین حفصۃ رقیۃ النملہ کما علمتہا الکتابت یعنی جیسے حفصہ کو لکھنا سکھایا اسی طرح رقیۃ النملہ[۲] بھی سکھا دو

۲۔ فتوح البلدان بلاذری مطبوعہ مطبوعہ دۃ مصر سال ۱۹۵۹ میں یہ لفظ رقنۃ النملہ لکھا گیا جو یقیناً غلط ہے صحیح اسی طرح ہے جیسے ابن اثیر کی نہایہ میں مادہ نمل کے تحت دیا گیا ہے، رقیہ منتر کے مانند جملے ہوا کرتے تھے جنکو دفع بلا یا بیماری دور کرنے کے لئے پڑھا جاتا تھا، ابن اثیر مادہ رقی میں کہتا ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کئے گئے بعض اخبار میں رقی سے روکا گیا ہے۔ اور بعض میں تجویز کیا گیا ہے اور خود اس بات کا مدعی ہے کہ وہ حدیثیں جن میں اس کو منع کیا گیا ہے یہ بتاتی ہیں کہ جو اللہ کے

بلاذری اس جگہ مسلمان عورتوں میں سے چند کے نام لکھتا ہے جو عہد اسلام میں پڑھنا

حاشیہ صفحہ گذشتہ۔

نام کے علاوہ دوسرا ناموں کے ذریعے شر سے پناہ مانگتا ہے اسے چونکہ اللہ پر توکل نہیں رہ جاتا اور ایسے تعویذ پر بھروسہ ہو جاتا ہے اسے ناپسند کیا گیا اور جن احادیث میں اجازت دی گئی ہے ان سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں آدمی اسماء الٰہی کو وسیلہ بناتا ہے اور ان میں خدا سے پناہ مانگتا ہے

ابن اثیر مادہ نمل کے تحت کہتا ہے۔

جو چیز رقیۃ النمل کے نام سے مشہور تھی حقیقتاً رقی (منتر) کی قسم کی کوئی چیز نہیں تھی یہ کچھ مشہور جملے تھے اور سب جانتے تھے کہ ان سے نہ کوئی فائدہ پہونچ سکتا تھا نہ نقصان رسول اللہ نے یہ فقرہ شفاء اپنی بیوی حفصہ کی طرف کنایہ کرتے ہوئے مذاقاً کہا تھا۔ وہ جملہ یہ تھا العروس تحتفل وتختضب وتکتحل وکل شیء تفتعل غیر ان لا تعصی الرجل یعنی نئی دلہن بھیڑ میں رہتی ہے رنگ لگاتی ہے سرمہ ڈالتی ہے دلہن سب کام کرے مگر یہ کہ شوہر کی نافرمانی نہ کرے۔ اسی جملہ کو رقیۃ النملہ کہا جاتا ہے یہ ظاہر اسے یہ نام دینے میں بھی ایک طرح کی شوخی اور طنز سے کام لیا گیا ہے۔

ابن اثیر کہتا ہے۔

رسول اکرمؐ نے مذاقاً اور طنزاً یہ فقرہ شفاء سے کہا تھا کہ جیسے حفصہ کو لکھنا سکھایا ہے اسی طرح بہتر ہوتا اگر رقیۃ النملہ بھی سکھا دیتیں۔ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ یہ خاتون میرا حکم نہیں مانتی ہیں اور جو راز میں نے ان سے کہہ دیا تھا اسے ظاہر کر دیا ہے۔ یہ تاریخ کا ایک مشہور واقعہ ہے اور سورۂ تحریم کی پہلی آیت ہی سے ظاہر ہے۔

بھی جانتی تھیں اور لکھنا بھی جانتی تھیں یا صرف پڑھنا جانتی تھیں۔ وہ کہتا ہے کہ (ام المومنین) حفصہ زوجہ پیغمبر لکھتی تھیں۔ ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط بھی جو پہلے گروہ مہاجرین میں شامل خاتون ہیں لکھنا جانتی تھیں۔ عائشہ بنت سعد نے بتایا کہ ان کے باپ نے ان کو لکھنا سکھایا تھا کریمہ بنت مقداد بھی لکھتی تھیں (ام المومنین) عائشہؓ زوجہ رسول اکرمؐ ام المومنین ام سلمہؓ صرف پڑھنا جانتی تھیں۔

اس کے بعد بلاذری ان اشخاص کے نام لکھتا ہے جو مدینہ میں رسول اللہؐ کے کاتب تھے اس وقت کہتا ہے کہ ظہور اسلام کے قریب صرف گیارہ افراد اوس اور خزرج کے قبیلوں میں سے جو مدینے میں رہتے تھے کتابت کا فن جانتے تھے وہ ان کے نام بھی بتاتا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فن کتابت حجاز کے علاقے میں نیا نیا آیا تھا اور اس زمانے میں حجاز کے علاقے کے حالات ایسے تھے کہ اگر کوئی پڑھنا یا لکھنا جانتا تھا تو وہ خاص و عام میں مشہور ہو جاتا تھا۔ ایسے افراد جو آغاز اسلام کے قریبی عہد میں اس فن کو جانتے تھے وہ مکے میں ہوں یا مدینے میں مشہور اور نمایاں تھے گنتی کے کچھ لوگ تھے جن کو انگلیوں پر گنا جا سکتا تھا اس لئے ان کا نام تاریخ میں آگیا ہے اور اگر رسول خدا بھی اس زمرے میں ہوتے تو ان کا نام بھی ان لوگوں میں لیا جاتا۔ چوں کہ آنحضرت کا نام اس زمرے میں نہیں ملتا ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو قطعی طور پر لکھنے پڑھنے سے سروکار نہیں تھا۔

رسالت کا زمانہ خصوصاً مدینے کا زمانہ:-

جو قرائن ہمارے سامنے ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ عہد رسالت میں بھی نہ پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے لیکن اسلامی علماء چاہے شیعہ ہوں چاہے سنی اس مسئلے میں ایک رائے نہیں ہیں بعض کے نزدیک یہ ناممکن ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ وحی جو ہر بات سکھاتی ہے وہ انہیں پڑھنا اور لکھنا نہ سکھائے۔

شیعی روایات میں سے بعض میں یہ کہا گیا ہے کہ آنحضرتؐ عہد رسالت میں پڑھتے تھے مگر لکھتے نہ تھے۔ ان روایات میں سے ایک روایت وہ ہے جو صدوق (علیہ الرحمۃ) نے علل الشرائع میں تحریر کی ہے۔

" اللہ نے اپنے پیغمبر پر جو احسانات کئے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ پڑھتے تھے لیکن لکھتے نہ تھے جس وقت ابو سفیان نے جنگ احد کا ارادہ کیا ہے رسول اللہ کے چچا حضرت عباسؓ نے پیغمبرؐ کو ایک خط لکھا تھا۔ جب وہ خط پہونچا ہے اس وقت آنحضرتؐ مدینے کے اطراف میں جو باغات تھے ان میں سے ایک باغ میں تھے۔ پیغمبرؐ نے خط پڑھا لیکن اپنے احباب کو اس خط کے مضمون سے آگاہ نہیں کیا حکم دیا کہ سب لوگ شہر چلیں جب شہر میں پہونچے تو ان کو اس موضوع سے با خبر کیا۔

لیکن سیرۃ زینی دحلان میں عباسؓ کے خط کی روایت علل الشرائع کی روایت سے مختلف ہے وہ کہتے ہیں۔

جیسے ہی عباسؓ کا خط رسولؐ خدا کو ملا آپ نے اس کی مہر توڑ کر اسے ابیؓ بن کعب کو دیا کہ وہ پڑھیں ابی بن کعب نے اسے پڑھا۔ پیغمبرؐ نے حکم دیا کہ اس کو راز رکھا جائے۔(۱۲) کے

بعد رسولؐ خدا مشہور صحابی سعد بنؓ الربیع کے پاس گئے خط کا مضمون ان کے سامنے رکھا مگر انہیں بھی اسے اس وقت راز رکھنے کا حکم دیا۔[1]

بعض حضرات کا ماننا یہ ہے کہ عہد رسالت میں آنحضرتؐ پڑھتے بھی تھے لکھتے بھی تھے سید مرتضیٰ کا قول بحار الانوار میں نقل کیا گیا ہے کہ

شعبی اور اہل علم کی ایک جماعت کا عقیدہ یہ ہے رسولؐ اکرم اس دنیا سے تشریف نہیں لے گئے مگر یہ کہ انہوں نے پڑھا بھی لکھا بھی۔[2]

سید مرتضیٰ خود مشہور حدیث دوات و قلم (یا دوات دشانہ) کو سند میں پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

معتبر احادیث میں اور تواریخ میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ دوات و شانہ لے آؤ میں تمہارے لئے ایک ایسا دستور لکھ دوں کہ تم میرے بعد گمراہ نہ ہو۔[3]

دوات و قلم کی حدیث سے (اس سلسلے میں) سند لینا درست نہیں ہے کیوں کہ اس حدیث میں اس بات کی صراحت نہیں ہے کہ رسولؐ خدا خود اپنے ہاتھ سے لکھنا چاہتے تھے۔ اگر ہم فرض کر لیں کہ آپ یہ چاہتے تھے کہ جو لوگ وہاں،

۱۔ سیرۃ زینی دحلان بر حاشیہ سیرۃ حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۲۲

۲۔ بحار الانوار طبع جدید جلد ۱۶ صفحہ ۱۳۵ مجمع البیان ذیل آیہ ۲۸ سورہ عنکبوت

۳۔ بحار الانوار طبع جدید صفحہ ۱۳۵

موجود میں انکے سامنے لکھنے کا حکم دیا اور ان سب حاضرین کو گواہ بنا کر اور ان سب کو گواہی کے طور پر ان کے دستخط لے لیں تو یہ بھی ایک درست تعبیر ہوگی اس قول کی کہ میں چاہتا ہوں کہ تمہارے لئے ایک ایسی چیز لکھ جاؤں جس سے تم میرے بعد گمراہ نہ ہو۔ ادبی اصطلاح میں ایسی تعبیر کو اسناد مجازی کہا جاتا ہے اور فصاحت کے لحاظ سے یہ عربی اور غیر عربی زبانوں میں رائج ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے کاتب

معتبر اور قدیم اسلامی تواریخ کے واضح بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ مدینے میں رسولؐ اللہ کے پاس کاتبوں کی ایک جماعت تھی۔ یہ کاتب وحی الٰہی حدیث پیغمبر۔ لوگوں کی کاروباری دستاویز یا اہل کتاب اور مشرکین کے ساتھ رسول اللہ کے معاہدنے صدقات و مالیات کے کھاتے خمس و غنیمت کا حساب کتاب اور وہ بے شمار خطوط لکھا کرتے تھے جو آپ ادھر ادھر پاس پڑوس کے لوگوں کو بھیجا کرتے تھے۔

وحی الٰہی اور آنحضرت کے زبانی بیانات جو قلمبند کر لیئے گئے تھے وہ باقی رہ گئے ہیں ان کے علاوہ رسولؐ اللہ کے بہت سے خطوط اور معاہدے بھی تاریخ کی کتابوں میں درج ہیں۔ محمد بن سعد کاتب الواقدی نے اپنی کتاب طبقات الکبیر میں (جو طبقات ابن سعد کے نام سے مشہور ہے) آنحضرت کے تقریباً سو خطوط کی نقل جمع کی ہے۔

ان میں ایک حصہ ان خطوط پر مشتمل ہے جو دنیا کے بادشاہوں اور فرمانرواؤں کو قبائلی سرداروں کو خلیج فارس کے ان حکام کو جو رومیا ایران کی حکومت کے ماتحت تھے اور دوسری شخصیتوں کو لکھے گئے ہیں جن میں انہیں اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ دوسرا حصہ وہ ہے جن میں گشتی مراسلے احکامات اور ہدایات شامل ہیں جو فقہ اسلامی کے اسناد میں شمار کیے جاتے ہیں ایک

اور حصہ دوسرے کاموں سے تعلق رکھتا ہے ان میں سے بہت سے خطوط کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ کس کے ہاتھوں لکھے ہوئے ہیں کیوں کہ کاتب نے خط کے آخر میں اپنا نام لکھ دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے جس نے اس روایت کو قائم کیا ہے یعنی کہ خط کے آخر میں کاتب کا نام درج کرنے کی روایت جاری کی ہے مشہور صحابی ابی بن کعب ہیں۔

ان خطوط، ان معاہدوں اور ان کتابوں میں سے ایک بھی رسول خدا نے اپنے ہاتھ سے نہیں لکھا ہے یعنی کسی بھی تحریر کے بارے میں ہم یہ نہ دیکھیں گے کہ اسے رسولؐ خدا کی لکھی ہوئی کہا گیا ہو اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ کہیں بھی خود رسولؐ خدا کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک آیت قرآنی بھی نظر نہیں آتی جبکہ کاتبان وحی نے اپنی تحریر میں قرآن بھی لکھا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ رسولؐ اللہ خط تو خود لکھیں مگر اپنے ہاتھ سے قرآن یا اس کا کوئی سورہ یا کم سے کم ایک آیت بھی نہ لکھیں۔

تاریخ کی کتابوں میں رسولؐ اللہ کے کاتبوں کے نام پائے جاتے ہیں۔ یعقوبی اپنی تاریخ کی دوسری جلد میں لکھتا ہے۔

رسول اللہ کے کاتب جنہوں نے وحی خطوط اور معاہدات تحریر کئے ہیں یہ ہیں علی ابن ابی طالب رضؓ عثمان بن عفان، عمرو بن العاص، معاویہ بن ابو سفیان، سرجیل بن حسنہ، عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مغیرہ بن شعبہ، معاذ بن جبل، زید بن ثابت، حنظلہ ابن الربیع، ابی ابن کعب، جہیم بن الصلت حصین الیثری۔

تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۶۹

التنبیہ والاشراف میں مسعودی نے ایک حد تک تفصیلات پیش کیے ہیں کہ کون سا کاتب کس قسم کا کام اپنے ذمے لئے ہوئے تھا اور اس کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے کہ ان کاتبوں کے کام کا پھیلاؤ اس سے زیادہ تھا اور ان میں ایک قسم کی دفتری تنظیم اور باہمی تقسیم کار بھی تھی۔ چنانچہ مسعودی کہتا ہے۔

خالد بن سعد بن العاص رسول خدا کے پیش کار تھے۔ مختلف ضروریات جو پیدا ہوتی تھیں انہیں لکھتے تھے ایسا ہی مغیرہ بن شعبہ اور حصین بن نمیر بھی کرتے تھے۔

عبداللہ بن ارقم اور علاء بن عقبہ لوگوں کے لئے اسناد ان کے باہمی معاہدے اور تجارتی کاروبار کے دستاویز لکھتے تھے۔

زبیر بن العوام اور جہیم بن الصلت صدقات والیات کا کھاتہ لکھا کرتے تھے۔ حذیفہ بن الیمان حجاز کی "حرازی" (وہ جائیداد جسے حکومت رفاہ عامہ کے لئے اپنی تحویل میں لے لیتی ہے) کا حساب لکھنے پر مامور تھے معیقیب بن ابی فاطمہ دوسی غنیمت کا اندراج کرتے تھے۔ زید بن ثابت انصاری حاکموں اور بادشاہوں کے نام خطوط لکھا کرتے تھے اور اسی کے ساتھ رسول اللہ کے لئے ترجمانی کا کام بھی کیا کرتے تھے۔ وہ فارسی، رومی، قبطی اور حبشی زبانوں سے عربی میں ترجمہ کیا کرتے تھے۔ اور انہوں نے یہ ساری زبانیں ان زبانوں کے بولنے والوں سے مدینے ہی میں رہ کر سیکھی

بھتیں[۱] حنظلہ بن ربیع کی حیثیت اضافی تھی جب کاتبوں میں سے جن کا نام اوپر لیا گیا ہے کوئی غیر حاضر ہوتا تھا تو وہ اس کا کام انجام دیتے تھے ان کا نام ہی حنظلہ کاتب مشہور ہو گیا تھا۔ حنظلہ حضرت عمر کی خلافت کے دور میں جب فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا شہر رُہا چلے گئے تھے وہیں ان کی وفات بھی ہوئی۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے بھی ایک زمانے تک کتابت کی مگر بعد میں وہ مرتد ہو کر مشرکوں

۱۔ جامع ترمذی میں زید بن ثابت سے روایت ہے "پیغمبر اکرم نے مجھے حکم دیا کہ میں سریانی زبان سیکھوں اور جامع ترمذی ہی میں یہ بھی روایت نقل کی گئی ہے "رسول خدا نے مجھ سے فرمایا کہ میں یہودیوں کی زبان سیکھوں اور فرمایا کہ خدا کی قسم میں اپنے خطوط کے بارے میں یہودیوں پہ بھروسہ نہیں کرسکتا (یعنی ان سے نہیں لکھوا سکتا) میں نے آدھے مہینے کے اندر ان کی زبان سیکھ لی۔ اس کے بعد آنحضرت جب بھی یہودیوں کو خط لکھواتے تو میں ہی لکھتا تھا اور جب کسی یہودی کا خط آپ کے نام آتا تھا تو میں ہی آپ کو پڑھ کر سناتا تھا۔ فتوح البلدان میں بلاذری صفحہ ۴۲۷ پر کہتا ہے "زید بن ثابت نے کہا" رسول خدا نے مجھے حکم دیا کہ یہودیوں کی کتاب جو سریانی زبان میں تھی پڑھ لوں آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کتاب کے بارے میں یہودیوں کی طرف سے ڈر ہے۔ آدھا (مہینہ یا سال) نہ گذرا تھا کہ میں نے سیکھ لی۔ اس کے بعد سے آپ کے خطوط جو یہودیوں کے نام جاتے میں ہی لکھتا اور یہودیوں کا جو خط پیغمبر کے نام آتا اسے میں ہی آپ کو پڑھ کر سناتا تھا۔

میں شامل ہوگیا۔ شرجیل بن حسنہ طابخی نے بھی آنحضرتؐ کے لئے کتابت کی ہے کبھی کبھی ابان بن سعید اور علاء بن الحضرمی بھی آپ کے لئے کتابت کرتے تھے۔ امیر معاویہ نے آنحضرت کی وفات سے صرف چند مہینے پہلے آپ کے لئے کتابت کی ہے۔ یہ وہ اصحاب ہیں جو باقاعدہ کاتب کے عہدے پر فائز تھے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے اتفاقیہ طور پر ایک یا دو خطوط کی آپ کے لئے کتابت کی ان کا شمار آپ کے باقاعدہ محرروں میں نہیں ہم ان کا ذکر یہاں نہیں کر رہے ہیں۔

مسعودی نے یہاں کاتبان وحی اسی طرح باقاعدہ سرکاری خطوط تحریر کرنے والوں مثلاً حضرت علی علیہ السلام یا عبداللہ بن مسعود یا ابی بن کعب یا ان کے علاوہ کسی اور کا نام نہیں لیا۔ مثلاً اس نے چاہا ہے کہ صرف ان کے نام لکھے جو کتابت وحی کے نہیں بلکہ دوسری چیزوں کے لکھنے پر مامور تھے۔

اسلامی تواریخ وکتب احادیث میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جن میں خواہشمند لوگ قریب یا دور سے آنحضرت کے پاس آتے تھے اور آپ سے نصیحت یا موعظہ کی خواہش کرتے تھے۔ اور آپ اپنی ٹھوس اور حکمت بھری باتوں سے ان کے سوالوں کے جواب دیتے تھے۔ یہ اقوال یا تو اسی وقت لکھ لئے جاتے تھے یا بعد میں ان کو قلمبند کر لیا جاتا تھا۔

اس میں بھی ہم کو یہ نظر نہیں آتا کہ رسولؐ خدا نے کسی کے سوال کے جواب میں ایک سطر بھی لکھ کر دی ہو اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ و الہ وسلم کے ہاتھ کی ایک بھی تحریر

ہوتی تو مسلمان اس کو اپنے لئے بہت بڑے فخر کی بات سمجھ کر یمناً و تبرکاً اپنے گھروں میں محفوظ رکھتے جیسا کہ جناب امیر علیہ السلام اور دوسرے ائمہ علیہم السلام کے تعلق سے ہم اکثر دیکھتے ہیں کہ ان بزرگوں کی تحریریں برسہابرس بلکہ صدیوں سے ان کے دوستوں کے گھروں میں حفاظت کے ساتھ رکھی ہوئی ہیں اسی طرح آج بھی قرآن مجید کے ایسے نسخے موجود ہیں جو ان بزرگوں سے منسوب ہیں (جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ ائمہ نے اپنے ہاتھ سے نقل کئے ہیں) چنانچہ زید بن علی بن حسین علیہ السلام اور یحییٰ بن زیاد کا صحیفہ سجادیہ کا محفوظ رکھنا اس بات کا واضح ثبوت ہے۔

ابن ندیم نے اپنی کتاب الفہرست کے مقالہ دوم، فن اول میں ایک دلچسپ واقعہ تحریر کیا ہے۔[۱]

"کوفے کے ایک شیعہ سے جن کا نام محمد بن الحسین تھا جو ابن ابی بعرہ کے لقب سے مشہور تھے میری شناسائی ہوئی ان کے پاس ایک ایسا کتب خانہ تھا جس کی مثال میں نے نہیں دیکھی یہ کتاب خانہ انہوں نے کوفے کے ایک شیعہ باشندے سے حاصل کیا تھا۔ عجیب بات یہ تھی ہر کتاب اور ہر ورقہ (پمفلٹ) پر یہ تحریر تھا کہ کس کے ہاتھ کی تحریر ہے۔ علماء کی ایک جماعت نے خود اس امر کی گواہی دی تھی کہ اس کتاب کی تحریر کس کے ہاتھ کی ہے اس کتاب خانے میں دونوں عظیم امام حسن بن علی اور حسین ابن علی علیہم السلام

---

[۱] الفہرست، مطبوعہ مطبعۃ الاستقامہ قاہرہ صفحہ ۶۷

کے ہاتھ کے لکھے خطوط موجود تھے۔ اور ان کی حفاظت کی جاتی تھی اسی طرح کچھ اسناد اور عہد نامے حضرت علی علیہ السلام اور رسول اللہ کے دوسرے کاتبوں کے دست و قلم کی تحریر میں موجود تھیں اور اچھی طرح ان کی نگرانی ہوتی تھی۔

جی ہاں اس طرح ان متبرک آثار کی حفاظت اور نگرانی کی جاتی رہی ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ اپنے ہاتھ سے ایک سطر بھی لکھیں تو وہ بچا کے نہ رکھی جائے جبکہ مسلمان اپنے آثار کو خصوصاً بزرگوں کے آثار کو بہت سنبھال کر رکھنے کا اہتمام کرتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عہد رسالت میں بھی اپنے ہاتھ سے کچھ لکھنا کسی قرینے اور اثر سے ثابت نہیں ہے البتہ عہد رسالت میں آپ کا خود پڑھنا ایسا مسئلہ ہے جس سے قطعی طور پر انکار نہیں کیا جا سکتا اگر اس عہد میں بھی آپ پڑھ لینے سے متعلق۔ ایسی کوئی بھی دلیل موجود نہیں جسے کافی کہا جا سکے بلکہ قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اس دور میں بھی (دور رسالت میں بھی) پڑھتے نہیں تھے۔

حدیبیہ کا واقعہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی تاریخ میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے قیام مدینہ کے عہد میں بھی کچھ نہ کچھ پڑھا ہے، نہ لکھا ہے۔ ان واقعات میں ایک واقعۂ حدیبیہ کا بھی ہے جو اپنی تاریخی اہمیت کی بنا پر بہت مشہور ہے اور باوجودیکہ اس سلسلہ میں تاریخی بیانات اور احادیث ایک دوسرے سے کافی مختلف ہیں تو بھی بہت حد تک ان سے اس مطلب کے نمایاں ہونے میں مدد ملتی ہے۔

ہجری سنہ کے چھٹے سال ذی القعدہ کے مہینے میں رسول خدا حج و عمرہ کے خیال سے مدینے سے نکل کر مکے کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ نے حکم فرمایا کہ قربانی کے اونٹوں کو قربانی کے نشانات دے کر آپ کے ساتھ کر دیا جائے لیکن ابھی حدیبیہ تک جو مکہ سے تقریباً دو فرسخ دور ہے پہونچے تھے کہ قریش مقابلے پہ آڈٹے اور مسلمانوں کا داخلہ روک دیا۔ حرمت کا مہینہ بھی تھا اور جاہلیت کے دستور کے مطابق بھی قریش کو حق نہیں تھا کہ وہ حج سے روکیں اور خود آنحضرت نے بھی واضح کر دیا تھا کہ وہ کعبہ کی زیارت کے سوا کوئی ارادہ نہیں رکھتے اور اعمال حج بجا لانے کے بعد لوٹ جائیں گے لیکن قریش رضامند نہ ہوئے۔ مسلمانوں نے اصرار کیا کہ زبردستی مکے میں داخل ہو جائیں۔

مگر رسول اکرم اس بات پر آمادہ نہ ہوئے۔ آپ کعبے کی حرمت ضائع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ آخر اس بات پر اتفاق ہوگیا کہ ایک صلح نامہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان ہو جائے۔

صلح نامے کی عبارت پیغمبر اکرمؐ املا فرمانے لگے اور حضرت علیؑ لکھنے لگے۔ پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قریش کے نمائندے سہیل بن عمر نے اعتراض کیا "یہ تمہارا دستور ہے ہم اسے نہیں مانتے لکھئے لبیک اللھم۔

رسول اکرمؐ نے اتفاق فرمایا اور حضرت علی سے کہا اسی طرح لکھو۔ اس کے بعد فرمایا لکھو" یہ ایک قرارداد ہے محمد رسول اللہ اور قریش کے درمیان"۔ قریش کے نمائندے نے اعتراض کیا اور کہا کہ ہم تم کو رسول نہیں مانتے صرف تمہارے پیرو تم کو رسول اللہ مانتے ہیں اگر ہم تم کو رسول اللہ سمجھتے تو ہم تم سے نہ لڑتے اور نہ مکہ میں داخل ہونے سے روکتے تم اپنا نام اور اپنے باپ کا نام لکھو۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا تم مجھے رسول اللہ مانو یا نہ مانو میں تو اللہ کا رسول ہوں۔ اس کے بعد حضرت علی سے فرمایا کہ لکھو "یہ عہد نامہ ہے محمد بن عبد اللہ اور اہل قریش کے درمیان اس موقع پر مسلمان بہت برہم ہوئے۔ اور اس کے بعد تاریخی بیانات بعض تفصیلات میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں سیرت ابن ہشام اور صحیح بخاری باب الشروط فی الجہاد والمصالحہ مع اہل العرب سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اعتراض کلمہ "رسول اللہ" لکھنے سے پہلے کیا گیا تھا اور اسی وقت، رسول اکرمؐ نے قریش سے اتفاق کرتے ہوئے محمد رسول اللہ کے بجائے محمد بن عبد اللہ لکھنے کو کہا تھا لیکن اکثر بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اعتراض اس وقت ہوا تھا جب حضرت

علیؑ "محمد رسول اللہ" لکھ چکے تھے اور آنحضرت نے حضرت علی سے فرمایا کہ اس کلمہ کو مٹا دو اور حضرت علی نے اپنے ہاتھ سے اسے مٹانے سے معذرت چاہی۔

یہاں بھی بیانات میں اختلاف ہے۔ شیعی روایت متفق ہیں کہ جب حضرت علیؑ نے اپنے ہاتھ سے اس کلمۂ مبارک کو مٹانے سے انکار کیا تو آنحضرت نے خود ہی اسے مٹا دیا اس کے بعد حضرت علیؑ نے لکھا "محمد بن عبد اللہ" بعض شیعی روایات میں اور اہل سنّت کی روایات میں اس کی تصریح ہے آنحضرتؐ نے علیؑ سے پوچھا کہ یہ کلمہ کہاں ہے اور فرمایا کہ میرا ہاتھ پکڑ کر اس کلمے پر پھیر دو تاکہ میں خود اسے مٹا دوں۔ حضرت علیؑ نے ایسے ہی کیا اور آنحضرتؐ نے خود ہی اپنے ہاتھ سے اسے مٹایا اس کے بعد علیؑ نے اس کی جگہ "ابن عبد اللہ" لکھا اسلئے لکھنے والے حضرت علی تھے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ بلکہ ان بیانات کی رو سے شیعی طریق سے بھی اور سنی طریق سے بھی نہ پیغمبر اکرمؐ نے پڑھا اور نہ لکھا۔

ابو بکر عتیق نیشاپوری سور آبادی کی کتاب قصص قرآن میں جو ان کی تفسیر قرآن سے ماخوذ ہے اور پانچویں صدی ہجری میں فارسی میں لکھی گئی ہے حدیبیہ کا واقعہ نقل کیا گیا ہے کلمۂ رسول اللہ پر سہیل بن عمرو نمائندۂ قریش کے اعتراض کے موقع پر وہ کہتے ہیں۔

"سہیل بن عمرو گفت: چنین نیس، ہذا ما صالح علیہ محمد بن عبد اللہ سہیل بن عمرو رسول صلی اللہ علیہ گفت مر علی را کہ رسول اللہ بجای علی را از دل برنیا مد کہ رسول اللہ بجہ دی، ہر چند کہ رسول می گفت علی بپچید۔ رسول صلی اللہ علیہ گفت: انگشت من بر آن نہ تا من بجا ئیم زانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ، امی بود

نبشت ببلا السنن۔ علی انگشت رسول برآں نہاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم تا چنانکہ مراد سہیل بود[1]

یعقوبی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ پیغمبرؐ نے علیؑ کو حکم دیا کہ رسول اللہ کی جگہ بن عبداللہ لکھیں صحیح مسلم میں بھی یہ لکھنے کے بعد کہ علیؑ نے مٹانے سے انکار کیا یہ لکھا ہے کہ پیغمبر اکرم نے فرمایا

فارنی مکانہا۔ فاراہ مکانہا فمحاھا وکتب ابن عبداللہ

(مجھے جگہ دکھاؤ۔ تو آپ کو جگہ بتائی گئی تو اسے آپ نے مٹا دیا اور ابن عبداللہ لکھا)[1]

اس روایت میں ایک طرف تو لکھا گیا ہے۔ پیغمبر نے مٹانے کے لیے علیؑ سے مدد چاہی دوسری طرف ہے پیغمبر نے مٹایا اور لکھا۔ ممکن ہے بادی النظر میں ایسا لگے کہ خود پیغمبر اکرمؐ نے مٹانے کے بعد خود لکھا لیکن یہ تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ حدیث بیان کرنے والے کا مقصد یہ ہے کہ علیؑ نے لکھا کیوں کہ حدیث کی عبارت ہی میں یہ بات آگئی ہے

۱۔ (ترجمہ) سہیل بن عمرو نے کہا اس طرح لکھو۔ یہ وہ (تحریر ہے) جس پر محمد بن عبداللہ نے سہیل بن عمرو سے صلح کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے علیؑ سے کہا رسول اللہ مٹا دو۔ علیؑ کا دل اس پر آمادہ نہ ہوا کہ "رسول اللہ" مٹائیں ہر چند کہ کل نے کہا علی عذر کرتے رہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے کہا۔ میری انگلی اس پر رکھ دو تاکہ میں خود مٹا دوں چونکہ رسول صلی اللہ علیہ امی تھے لکھنا نہ جانتے تھے۔ علیؑ نے رسولؐ کی انگلی اس پر رکھ دی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ نے مٹا دیا تاکہ جو سہیل چاہتا تھا وہ لکھا جائے۔

۱۔ جلد ۱ صفحہ ۲۰۶

کہ پیغمبرؐ نے مٹانے کے لیے علی کی مدد چاہی۔

تاریخ طبری اور صحیح بخاری باب الشروط کی دوسری روایت سے قریب قریب صراحت کے ساتھ یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ دوسرا کلمہ (یعنی محمد بن عبداللہ) آنحضرت نے خود اپنے ہاتھ سے لکھا کیوں کہ یہ لوگ لکھتے ہیں، "فاخذہ رسول اللہ وکتب" یعنی پیغمبر نے علی سے لے لیا اور خود لکھا۔ طبری اور ابن اثیر کی عبارتوں میں ایک جملہ زیادہ ہے۔ وہ اس طرح ہے۔

فاخذہ رسول اللہ ولیس یحسن ان یکتب فکتب" یعنی رسولؐ اللہ نے علی سے لے لیا اور باوجودیکہ لکھنا نہ جانتے تھے لکھا۔

طبری اور ابن اثیر کی روایت سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ رسولؐ خدا لکھتے نہ تھے مگر حدیبیہ میں ایک استثنائی حالت میں لکھا ہے۔

اس روایت سے شاید ان لوگوں کی تائید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ اگر رسول اللہ لکھنا چاہتے تو تعلیم الہٰی سے لکھ سکتے تھے مگر نہیں لکھا۔ جیسے کہ پیغمبرؐ نے کبھی شعر نہیں پڑھا یہاں تک کہ دوسرے کا کہا ہوا شعر بھی نہیں پڑھا اتفاقاً اگر کبھی کسی دوسرے کی ایک آدھ بیت پڑھنا بھی چاہی تو اسے تحلیل کر دیا یعنی الفاظ ادھر ادھر کر دیئے یا کم یا زیادہ کر دیئے تاکہ وہ شعر کی تعریف سے نکل جائے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے شاعری کو ان کے شایان شان نہیں سمجھا تھا۔

وما علمناہ الشعر وما ینبغی لہ ان ھو الا ذکر و قرآن مبین

اور ہم نے اسے شاعری نہیں سکھائی یہ اس کے شایان شان بھی نہیں (اور یہ آیتیں) تو صرف نصیحت ہے اور ایک نمایاں کتاب جیسا کہ دیکھنے میں آیا ہے واقعہ حدیبیہ کا بیان یکساں نہیں ہے اور اگرچہ بعض بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس واقعہ میں کلمہ " بن عبداللہ " کی حیثیت آنحضرت کے دستخط کے ایک جزو کی تھی جسے آپ نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہے لیکن بیانات اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ یہ واقعہ ایک استثنائی حیثیت رکھتا ہے۔

اسدالغابہ میں تمیم بن جراشہ ثقفی کے حالات میں ایک قصہ خود ان کی زبانی بیان کیا گیا ہے جس سے صریحاً یہ سمجھ میں آتا ہے کہ پیغمبر اکرم عہد رسالت میں بھی نہ پڑھتے تھے۔ تمیم بن جراشہ کا بیان ہے۔

" میں اور قبیلہ ثقیف کی ایک جماعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا اور چاہا کہ آپ کے اور ہمارے درمیان ایک قرارداد ہو جائے اور آپ ہماری شرطوں کو مان لیں۔ پیغمبر اکرم نے فرمایا " جو چاہتے ہو لکھ لاؤ میں دیکھ لوں گا۔ " ہم یہ چاہتے تھے کہ آپ ہمیں سود اور زنا کی تحریری اجازت دے دیں۔ چونکہ ہم خود لکھنا نہیں جانتے تھے ہم نے علی ابن ابی طالب (علیہ السلام) سے مدد چاہی۔ علیؑ نے جب دیکھا کہ ہماری یہ شرطیں ہیں تو لکھنے سے انکار کیا۔ ہم نے خالد بن سعد بن العاص سے کہا علیؑ نے ان سے کہا جانتے ہو یہ تم سے کیا لکھوانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا مجھے اس سے کیا جو کچھ یہ کہیں گے میں لکھ دوں گا جب پیغمبرؐ کے پاس جائے گا وہ خود سمجھ لیں گے کہ انہیں کیا کرنا ہے۔

خالد نے اسے تحریر کیا اور ہم اسے پیغمبرؐ کے پاس لے گئے۔ پیغمبرؐ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ پڑھے جیسے ہی لفظ ربا (سود) آیا آپ نے فرمایا میرا ہاتھ کلمہ ربا پہ رکھ دو۔ انہوں نے آنحضرت کا ہاتھ اس لفظ پہ رکھ دیا اور پیغمبر اکرم نے اس کو خود مٹایا اور قرآن کی یہ آیت پڑھی۔

اس کے سننے سے ہماری روح کو ایمان اور اطمینان ہو گیا۔ اس شخص نے جو خط کو پڑھ رہا تھا آگے پڑھا جب زنا کے موضوع پر پہونچا تو پھر پیغمبر نے اپنا ہاتھ اس لفظ پہ پھیرا اور اسے مٹا دیا اور پڑھا۔

ایک عجیب دعویٰ

یہ ایک عجیب بات ہے۔ چار سال پہلے ایران کے بعض رسالوں اور نشریات میں جو کچھ لکھا گیا اس کے مطابق ہندوستان کے ایک مسلمان دانشور نے جن کا نام ڈاکٹر سید عبداللطیف ہے جو ہندوستان کے شہر حیدر آباد کے ہیں اور انسٹی ٹیوٹ آف کلچرل اسٹڈیز فور انڈیا اینڈ مڈل ایسٹ نیز اکیڈمی آف اسلامک اسٹڈیز حیدر آباد کی صدارت کے عہدیدار ہیں۔ ہندوستان کی ایک اسلامی کانفرنس میں ایک تقریر اس موضوع پر کی ہے اور اسے انگریزی میں شائع کیا ہے اس میں انہوں نے دعویٰ کیا ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے عہد رسالت سے پہلے بھی لکھا پڑھا ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللطیف کی تقریر کے شائع ہونے پر ایرانی قارئین میں خاصا ہیجان پیدا ہو گیا اور اس وقت اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والوں کی طرف سے خطوط اور سوالات کی بھرمار ہو گئی ہم نے اس وقت اس موضوع پر صرف طلبہ کے لئے ایک مختصر سی تقریر کی۔

اس سلسلہ میں جو کچھ اس وقت عام طور پر محسوس کیا گیا اور اس وجہ سے کہ ڈاکٹر سید عبداللطیف کی تقریر میں کچھ ایسی باتیں ہیں جو ایک بے نظیر محقق سے بعید ہیں اس لئے ہم ان کی باتوں کو نقل کر کے ان کی تنقید کر رہے ہیں۔ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ۔

۱. یہ جو کہا جاتا ہے کہ رسول اکرم نہ پڑھے ہوئے تھے نہ لکھتے تھے صرف مفسروں کی ایک غلطی پر مبنی ہے جو انہوں نے لفظ "امی" کی تفسیر میں کی ہے۔ یہ لفظ سورۂ اعراف کی ۱۵۷/۱۵۶ ویں آیت میں رسول اللہ کی تعریف میں آیا ہے۔ ۱۵۶ ویں آیت کہتی ہے "جو لوگ اس رسول کی پیروی کرتے ہیں جو امّی پیغمبر ہے۔

اور آیت نمبر ۱۵۷ کہتی ہے یعنی اس لئے اللہ اور اس کے رسول پر جو نبی امّی ہے ایمان لے آو۔

۱. ان کا کہنا ہے کہ مفسروں نے گمان کیا ہے کہ امّی کے معنی ان پڑھ ہے جبکہ امّی کے یہ معنی نہیں۔

۲. قرآن مجید میں دوسری آیتیں ہیں جن سے صریحاً معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا پڑھتے بھی تھے اور لکھا بھی کرتے تھے۔

۳. کچھ معتبر حدیثیں اور تاریخی بیانات صراحت کے ساتھ رسول اللہ کا پڑھنا لکھنا ثابت کرتے ہیں۔

یہ ہے ان صاحب کے دعاوی کا خلاصہ۔ ہم اسی ترتیب سے ان تین حصوں پر بحث و تنقید کریں گے۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی ۔ فامنوا باللہ ورسولہ النبی الامی

حصہ اول

کیا پیغمبرکے ان پڑھ ہونیکا عقیدہ لفظ "امّی" کی تفسیر کی بنیاد پر ہے

اس دانشور کا یہ دعویٰ کہ رسول کے ان پڑھ ہونے کا جو عقیدہ مسلمانوں میں ہے وہ لفظ "امّی" کی تفسیر سے پیدا ہوا ہے۔ ایک بے بنیاد دعویٰ ہے۔

پہلے تو ظہور اسلام کے قریبی زمانے کی عرب اور مکہ کی تاریخیں پیغمبر کے کسی مدرسے میں نہ پڑھنے کی امر کی گواہ ہیں۔ اس سے پہلے میں نے وضاحت کردی ہے۔ ظہور اسلام کے زمانے میں حجاز کے علاقہ میں لکھنے پڑھنے کا رواج اتنا محدود تھا کہ جو لوگ لکھنے پڑھنے کا ہنر جانتے تھے ان کی ایک ایک فرد کا نام تاریخ کی عبارتوں میں لکھ دیا گیا ہے اور کسی نے بھی پیغمبر کو ان میں شامل نہیں کیا ہے۔ اگر فرض کرلیں کہ قرآن مجید میں اس بات کا کوئی اشارہ یا صراحت موجود نہیں ہے تو بھی مسلمان مجبور ہیں کہ تاریخ کے اس قطعی فیصلے کو قبول کرلیں کہ ان کے پیغمبر نے کسی سے کوئی سبق نہیں پڑھا تھا۔

دوسرے خود قرآن میں سورۂ اعراف کی آیتوں کے علاوہ دوسری آیتیں موجود ہیں جن میں لفظ امّی استعمال کیا گیا ہے۔ ان میں اس بات کی صراحت کم ہے۔ سورۂ اعراف کی آیتوں میں جو لفظ امّی استعمال ہوا ہے اس کے مفہوم میں اسلامی مفسرین کے

درمیان کم و بیش اختلاف ہے لیکن اس آیت کے مفہوم میں جو پیغمبر اکرمؐ کے مدارس میں تعلیم نہ پانے پر دلالت کرتی ہے کوئی اختلاف نہیں ہے۔ وہ آیت یہ ہے۔

قرآن نازل ہونے سے پہلے نہ تم لکھا ہوا پڑھتے تھے اور نہ اپنے سیدھے ہاتھ سے (جس سے لکھا جاتا ہے) لکھتے تھے۔ اگر پہلے پڑھتے لکھتے ہوتے تو یاوہ گو شک اور تہمت پیدا کرتے۔

اس آیت میں صراحت موجود ہے کہ پیغمبرؐ بعثت سے پہلے نہ پڑھتے تھے نہ لکھتے تھے مسلمان مفسروں نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔ لیکن موصوف (ڈاکٹر سید عبداللطیف حیدر آبادی) کا دعویٰ ہے کہ اس آیت کی تفسیر میں بھی غلطی کی گئی ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ لفظ کتاب سے یہاں مقدس کتابیں (یعنی تورات انجیل وغیرہ) مراد ہیں۔ ان کے دعوے کے مطابق آیت کا بیان ہے کہ" قرآن کے نزول سے پہلے تم کسی مقدس کتاب کو نہ جانتے تھے کیوں کہ یہ کتابیں عربی میں نہیں تھیں۔ اور اگر ان کتابوں جو عربی میں نہیں بلکہ دوسری زبانوں میں تھیں تم پڑھتے ہوتے تو یاوہ گویوں کو شک کرنے یا اتہام

وماكنت تتلو من قبله من كتاب ولا تخطه بيمينك اذا لارتاب المبطلون

اور آپ اس کتاب سے پہلے نہ کوئی کتاب پڑھے ہوئے تھے اور نہ کوئی کتاب اپنے ہاتھ سے لکھ سکتے تھے کہ یہ ناحق شناس لوگ کچھ شبہ نکالتے۔

لگانے کا موقع مل گیا ہوتا۔

ان کا یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے، عربی زبان میں کتاب اللہ کے اس مفہوم کے برخلاف جو آج کل فارسی میں رائج ہے کسی بھی لکھی ہوئی چیز کو کہتے ہیں چاہے وہ خط ہو چاہے دفتر، مقدس، آسمانی کتاب ہو یا غیر مقدس و غیر الہامی تحریر۔ قرآن مجید میں یہ لفظ (کتاب) بار بار استعمال ہوا ہے، کبھی ایسے خط کے معنی میں جو دو افراد ایک دوسرے کو لکھتے بھیجتے ہیں جیسے ملکۂ سبا کے بارے میں آیا ہے۔"

یاایھا الملاء انی القی الی کتاب کریمہ اللّٰہ من سلیمان

اے بزرگو ایک گرامی نامہ مجھے ملا ہے جو سلیمان کی طرف سے آیا ہے

اور کبھی دستاویز کے معنی میں استعمال ہوا ہے جیسے دو اشخاص کے درمیان معاہدہ کی تحریر (جیسے اس آیت میں) ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین

والذین یبتغون الکتاب بما ملکت ایمانکم مکاتبوھم

وہ غلام جو چاہتے ہیں کہ ایک قرارداد کے بموجب اپنے کو آزاد کرا لیں تو ان کے مطالبے کو مان لو اور ان کے ساتھ تحریری معاہدہ کر لو۔

اور کبھی الواح غیبی اور حقائق ملکوتی کے لئے استعمال ہوا ہے جن میں دنیا میں پیش آنے والے حادثات کی خبر اور علمی حکایتیں ہوں جیسے :-

تر و خشک میں سے کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو نمایاں تحریر میں موجود نہ ہو۔

قرآن کریم میں (لفظ کتاب) کے خاص اصطلاحی معنی ذہن میں مراد لئے گئے

ہیں جہاں لفظ اہل کا اس پر اضافہ کیا گیا ہے یعنی اہل الکتاب کہا گیا ہے۔ اہل کتاب یعنی کسی ایک آسمانی کتاب کے پیرو۔ سورۂ نساء کی آیت ۱۵۳ میں فرمایا گیا ہے:

یسئلك اهل الكتاب ان تنزل عليهم كتابا من السماء

اہل کتاب تم سے سوال کرتے ہیں کہ آسمان سے کوئی صحیفہ ان کیلئے اتار لا۔

اس آیت میں یہ لفظ دو موقع پر آیا ہے ایک "اہل" کے ساتھ دوسری جگہ صرف کتاب جہاں کلمہ اہل کا اضافہ ہوا ہے وہاں مراد آسمانی صحیفہ ہے اور جہاں صرف (کتاب) استعمال ہوا ہے وہاں اس کے معنی ایک عام تحریر کے ہیں۔

اس کے علاوہ یہ جملہ ولا تخطه بيمينك خود بتاتا ہے کہ مقصد یہ کہنا ہے کہ "نہ تم پڑھتے ہو نہ لکھتے ہو اور اگر لکھنا پڑھنا جانتے تو تم پر لوگ الزام لگاتے کہ دوسری جگہ سے لیکر تم نے لکھ لیا ہے لیکن چونکہ تم نہ لکھ سکتے ہو نہ پڑھ سکتے ہو اس لئے اس تہمت کا موقع نہیں رہا۔

اور اگر یہ کہنا مقصود ہوتا کہ تم مقدس کتابوں کو چونکہ وہ دوسری زبان میں ہیں نہیں پڑھ سکتے تھے تو اس آیت کے یہ معنی ہوتے "تم پہلے دوسری زبانوں کو نہیں پڑھ سکتے اور نہ ان زبانوں میں لکھ سکتے تھے"۔ ظاہر ہے کہ یہ معنی درست نہیں ہو سکتے کیوں کہ ایسی صورت میں الزام کے لئے صرف پڑھنا ہی ان زبانوں کا کافی ہوتا۔ ان زبانوں میں لکھنے ہی کی بات ضروری نہ تھی۔ اتنا ہی بہت ہوتا کہ ان زبانوں میں پڑھ لیتے چاہے اپنی زبان میں لکھیں۔ تہمت تراشی کے لئے یہ بہانہ کافی ہوتا۔

ہاں اس جگہ ایک نکتہ کی بات ہے جو ممکن ہے ڈاکٹر سید عبد اللطیف کے نظریے کی تائید کرتی ہو. اگرچہ انہوں نے یہ نکتہ بیان نہیں فرمایا ہے اور کسی مفسر نے بھی اس طرف توجہ نہیں کی ہے اور وہ یہ کہ اس آیۂ کریمہ میں لفظ "تتلوا" استعمال ہوا ہے جو تلاوت کے مادے سے ہے. تلاوت کا اطلاق جیسا کہ امام راغب اصفہانی نے اپنی مفردات میں لکھا ہے خاص آیات مقدس کے پڑھنے پر ہوتا ہے. برخلاف لفظ "قرارت" کے جو پڑھنے کے لئے عام ہے اس لئے ہر چند لفظ کتاب عام ہے کتاب مقدس و غیر مقدس کے لئے لیکن لفظ "تتلو" صرف آیات مقدس کو پڑھنے سے مخصوص ہے۔

بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں لفظ "تتلوا" استعمال کرنے کا سبب یہ ہے کہ موضوع بحث قرآن ہے اور صنعت تشاکلہ کی رو سے جو علم بدیع کا ایک جزو ہے یہ لفظ ہر تحریر کے پڑھنے کے لئے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ جیسے یہ کہا جائے "تم اس وقت قرآن کی تلاوت کر رہے ہو لیکن قرآن سے پہلے تو کسی تحریر کی تلاوت نہ کرتے تھے۔

دوسری آیت جس سے کہیں رسول اللہ کے سبق نہ پڑھنے کا پتہ چلتا ہے سورۂ شوریٰ کی چونویں آیت ہے.

وكذلك اوحينا اليك روحا من امرنا كنت تدرى الالكتاب ولا ايمان

ہم نے قرآن کو جو روح اور حیات ہے اپنے "امر" سے تم پر وحی کے ذریعے بھیجا ہے. اس سے پہلے تم نہیں جانتے تھے کہ تحریر کیا ہے اور ایمان کیا ہے.

یہ آیت کہتی ہے کہ تم نزول وحی سے پہلے کتاب اور تحریر سے آشنا نہ تھے.

ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب نے اس آیت کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ فرمائیں کہ یہاں بھی لفظ کتاب کے معنی وہ مقدس متن ہیں جو غیر عربی زبان میں ہوں مگر ہمارا جواب وہی ہے جو ہم نے اس سے پہلے کی آیت میں کہا ہے۔

مسلمان مفسروں نے بعض دلیلوں کی بنا پر جو ہم پر روشن نہیں ہیں کہا ہے کہ کتاب سے مراد خاص قرآن مجید ہے اس لئے اس آیت کی یہ تفسیر موجودہ استدلال سے خارج ہے۔

تیسرے یہ کہ مسلمان مفسر لفظ امی کے معنی میں کبھی متحد النظر نہیں رہے ہے جبکہ آپ کے درس پڑھنے اور بعثت سے پہلے رسول اکرم کے لکھنے پڑھنے سے آگاہ نہ ہونے کے بارے میں تمام مفسر یک رائے ہیں بلکہ اس معاملے میں تمام علمار اسلام متحد ہیں۔ اور یہی ایک قاطع دلیل ہے اس بات کی کہ مسلمانوں کا یہ عقیدہ کہ رسول اللہ نے کہیں تعلیم حاصل نہیں کی صرف لفظ امی کی تفسیر پر مبنی نہیں ہے۔ اب رہا لفظ امی کا مطلب۔

لفظ امی کا مطلب

مسلمان مفسروں نے لفظ امی کی تفسیر تین طرح سے کی ہے۔

کسی سے سبق نہ پڑھا ہوا یا لکھنا پڑھنا نہ جاننے والا

اکثریت اسی نظریئے کی حامی ہے یا کم از کم اسی نظریئے کو ترجیح دیتی ہے اس نظریے کے حامیوں کا کہنا ہے کہ یہ لفظ لفظ "ام" سے نسبت رکھتا ہے جس کے معنی ہیں "ماں" اس لئے امی سے مراد وہ شخص ہے جو بشری تحریروں۔ علامتوں اور معلومات کے لحاظ سے اسی حد پر باقی رہ گیا ہے جس حد پر اس کی ماں نے اسے پیدا کیا تھا۔ یا پھر یہ لفظ "امت" سے نسبت رکھتا ہے یعنی جو کسی قوم کے اکثر افراد کی عادت کا مالک ہو کیونکہ عوام کی اکثریت لکھنا پڑھنا نہیں جانتی۔ صرف ایک تھوڑی سی تعداد جانتی ہے۔ جیسے کہ لفظ عامی۔ عامی اس شخص کو کہتے ہیں جو عام لوگوں کی طرح جاہل ہو[1]۔

بعض کا کہنا ہے کہ لفظ امت کا ایک معنی خلقت ہے۔ امیّ یعنی وہ شخص جو خلقت، کی اسی پہلی سی بے سوادی کی حالت پر باقی ہے اور اس کے لئے اعشیٰ کے اشعر[2] سے سند لی گئی ہے بہرحال چاہے یہ ام سے مشتق ہو چاہے امت سے اور امت کے جو بھی معنی ہوں اس لفظ کے معنی سبق نہ پڑھے ہوئے کے ہیں۔

۲. اہل ام القریٰ۔

اس نظریہ کی تائید کرنے والے اس لفظ کو "ام القریٰ" سے یعنی مکہ سے منسوب

---

(۱) مفردات امام راغب کلمہ ام کے ذیل میں اور تفسیر مجمع البیان سورۂ بقرہ کی ۷۸ ویں آیت کے ذیل میں
(۲) مجمع البیان آیت ۷۸ سورہ بقرہ

بچکتے ہیں۔ سورۂ انعام کی ترانوے[۹۳] ویں آیت میں مکہ کو ام القریٰ کہا گیا ہے۔

ولتنذر ام القریٰ ومن حولہا " تاکہ تو ڈرائے مکے اور اس کے اطراف کے لوگوں کو

تفسیر کی کتابوں میں یہ احتمال بھی بہت قدیم زمانے سے چلا آرہا ہے اور شیعوں کی احادیث

میں سے بھی چند حدیثوں میں اس احتمال کی تائید کی گئی ہے اگرچہ ان حدیثوں کو معتبر نہیں مانا

گیا ہے اور جو کچھ ان میں کہا گیا ہے اس کی اصل اسرائیلی روایات میں پائی جاتی ہے[۱]۔

بہت سی دلیلوں سے اس احتمال کی تردید کی گئی ہے۔[۲]

ایک تو یہ کہ لفظ "ام القریٰ" اسم خاص نہیں ہے اور اس کا اطلاق مکہ پر ایک عام صفت کے طور پر ہوتا ہے نہ کہ اسم خاص کے طور پر۔ "ام القریٰ" یعنی بہت سے گاؤں کا مرکز۔ جو شہر بھی بہت سے گاؤں کا مرکز ہوگا "ام القریٰ" کہا جائے گا۔ ایک دوسری آیت قرآنی ہے جو سورۂ قصص کی انسٹھویں آیت ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ ایک وصف کی حیثیت رکھتا ہے۔

وماکان ربک مہلک القریٰ حتیٰ یبعث فی امہا رسولاً

تیرا پروردگار گاؤں کو برباد نہیں کرتا جب تک ان کے مرکز میں کسی کو رسول بنا کر نہیں بھیجتا اور ان پر حجت تمام نہیں کر لیتا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی زبان میں ہر وہ شہر جو ایک علاقے کا مرکز ہو

۲۔ مجلہ آستان قدس شمارہ ۷۰

اس علاقے کا ام القریٰ ہوتا ہے۔[1]

دوسری بات یہ ہے کہ اس لفظ کا قرآن میں اطلاق ایسے اشخاص پر ہوتا ہے جو مکّے کے باشندے نہیں تھے۔ سورۂ آل عمران کی بیسویں آیت کہتی ہے۔

وقل للذین اوتوا الکتاب والامیین اسلمتم

اور کہدو اہل کتاب اور امّیین (اعراب غیر یہودی و نصرانی) سے کہ کیا تم نے اپنے کو خدا کے حوالے کر دیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس زمانے میں اور قرآن کے نزول کے زمانے میں ان سب عربوں کو جو کسی آسمانی کتاب کے پیرو نہیں تھے امیین کہا جاتا تھا۔

اس سے بڑھ کر یہ بات ہے کہ اس لفظ کا اطلاق ان یہودی عوام پر بھی جو ان پڑھ اور لاعلم تھے باوجودیکہ وہ اہل کتاب تھے۔ چنانچہ سورۂ بقرکی تہتر دیں آیت کہتی ہے۔

ومنهم اميون لا يعلمون الكتاب الا اماني

بنی اسرائیل میں سے بعض امی ہیں اپنی کتاب کا بھی علم نہیں رکھتے سوا خیالات اور

۱۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ لفظ امی ام القریٰ یعنی مکہ سے منسوب ہے اور اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے یہ لفظ وصف عام ہے اسم خاص نہیں ہے۔ کیوں کہ کہا جاتا ہے

یعنی آنحضرت کو امی اس لئے کہا جاتا ہے کہ آپ اہل مکہ میں سے ہیں اور مکہ ایک ام القریٰ ہے۔

اوہام کے صاف ظاہر ہے کہ وہ یہودی قرآن نے جنہیں امی کہا ہے مکے کے رہنے والے نہ تھے غالباً وہ مدینہ یا اطراف مدینہ کے رہنے والے تھے۔

تیسرے یہ کہ اگر یہ لفظ ام القریٰ سے منسوب ہوتا تو ادبی قاعدے کے مطابق بجائے "امی" ... کیوں کہ علم صرف کے باب نسبت کے قاعدے کے مطابق مضاف و مضاف الیہ میں خصوصاً وہاں جہاں مضاف کلمہ "اب" یا "ام" یا "ابن" یا بنت ہوتا ہے مضاف الیہ سے نسبت دی جاتی ہے چنانچہ ابوطالب ابوحنیفہ اور بنی تمیم سے جب نسبت ہوتی ہے تو طالبی، حنفی، تمیمی کہا جاتا ہے۔

۲۔ مشرکین عرب جو آسمانی کتاب کے پیرو نہیں تھے۔

یہ نظریہ بھی بڑے زمانے سے مفسرین میں دائرہ ہے مجمع البیان میں سورہ آل عمران کی اکیسویں آیت کے ذیل میں "امیین" کو اہل کتاب کے مقابلے میں رکھا گیا ہے (جیسے) (وقل للذین اوتوا الکتاب الامیین) (کہہ دو ان سے جو اہل کتاب ہیں اور امیین سے) اس نظریہ کو بزرگ صحابی اور مفسر عبداللہ بن عباس سے منسوب کیا جاتا ہے۔ اور ابوعبیدہ کی روایت سورۂ بقرہ کی اٹھہترویں ۷۸ آیت کے ذیل میں نقل کی گئی ہے۔ اسی معنی کو خود طبرسی نے آل عمران کی پچھترویں ۷۵ آیت کا مفہوم بیان کرانے کے لیے استعمال کیا ہے زمخشری نے بھی کشاف میں اس آیت اور آل عمران کی پچھترویں ۷۵ آیت کی اسی طرح تفسیر کی ہے، فخر الدین رازی نے بقرہ کی اٹھہترویں ۷۸ اور آل عمران کی بیسویں ۲۰ آیت کے ذیل میں اس احتمال کو نقل کیا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ معنی معنیٔ اول سے کچھ الگ نہیں ہے۔

یعنی ایسا نہیں ہے کہ ہر اس جمعیت کو جو کسی آسمانی کتاب کی پیرو نہیں ہے امّی کہا جائے چاہے وہ پڑھے لکھے اور با سواد ہی کیوں نہ ہوں۔ اس لفظ کا اطلاق مشرکین عرب پر تو اس لئے ہوا ہے کہ وہ ان پڑھ تھے۔ مشرکین عرب کے لئے اس کلمہ (امیین) کا صرف اس لئے ہوا ہے کہ وہ پڑھنا لکھنا نہ جانتے تھے اس لئے نہیں ہوا کہ وہ کسی آسمانی کتاب کی پیروی نہیں کرتے تھے۔

اس لئے جہاں یہ لفظ جمع کی حالت میں آیا ہے اور اس کا اطلاق مشرکین عرب پر ہوا ہے اس احتمال کا ذکر کر دیا گیا ہے لیکن جہاں مفرد استعمال ہوا ہے اور اس کا اطلاق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا ہے وہاں کسی مفسر نے یہ نہیں کہا کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ آنحضرت کسی آسمانی کتاب کے پیرو نہ تھے۔ وہاں دو امکانات سے زیادہ کا ذکر نہیں ہے ایک تو آپ کا تحریر سے نا آشنا ہونا دوسرے اہل مکہ ہونا اور چونکہ پہلا احتمال ان قطعی دلیلوں سے جو میں بیان کر چکا ہوں رد ہو چکا ہے اس لئے آنحضرت کے امّی کہے جانے کی وجہ صرف یہ ہے کہ آپ پڑھے لکھے نہ تھے۔

یہاں ایک چوتھے احتمال کا بھی ذکر ہو جانا چاہیئے اور وہ یہ ہے کہ یہ لفظ مقدس کتابوں کی عبارت سے ناواقف ہونے کے معنی میں ہے۔ یہ وہ احتمال ہے جسے ڈاکٹر سیّد عبداللطیف نے خود ایجاد کیا ہے اور اتفاقاً اسے تیسرے احتمال سے جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں مخلوط کر دیا ہے۔ موصوف کا کہنا ہے۔

الفاظ، امی اور امیون ۔ قرآن میں کچھ مختلف مقامات پر بھی استعمال کئے گئے لیکن لیکن ہر موقع اور ہمیشہ اس کا ایک ہی معنی ظاہر ہوتا ہے۔ لغات میں لفظ امی کے اصل معنی ہیں "نوزائیدہ بچہ جو ابھی ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو۔ وہ اسی حالت حیات و زندگی کی طرف اشارہ ہے جو لفظ امی کو اس کے ضمنی معنی میں اس شخص کے لئے استعمال کرتے ہیں جو لکھنا پڑھنا نہ جانتا ہو۔ اسی طرح لفظ امی کے معنی " وہ شخص جو ام القریٰ میں رہتا ہو" ام القریٰ" یعنی شہروں کی ماں ایک ایسا شہر جو عمدہ اور پایہ تخت ہو۔ اور یہی آنحضرت کے زمانے کے عرب مکہ کو اسی خصوصیت کے شایان سمجھتے تھے۔ اسی لئے جو شخص مکہ کا ہوتا تھا اسے امی بھی کہتے تھے۔

ایک اور محل استعمال اس لفظ کا اس شخص کے لئے ہے جو سامیوں کی قدیم کتابوں کی عبارت سے واقفیت نہ رکھتا ہو اور یہودی یا عیسائی جنہیں قرآن میں " اہل الکتاب" کہا گیا ہے، کے دین کا پیرو نہ ہو۔ قرآن میں لفظ امی اسلام سے پہلے کے ان عربوں کے لئے استعمال ہوا ہے جن کے پاس کوئی مقدس کتاب نہیں تھی اور جو تورات اور انجیل کے بھی پیرو نہ تھے۔ اسے لفظ اہل الکتاب کے مقابلے میں رکھا گیا ہے۔

ایسی حالت میں جب کہ لفظ امی کے اتنے مختلف معنی ہیں نہ جانے کیوں قرآن کی تفسیر اور ترجمہ کرنے والوں نے چاہے وہ مسلمان ہوں چاہے غیر مسلم صرف بنیادی معنی " وہ مولود تازہ جس کے آنکھ کان بند ہوں" لئے ہیں۔ اور اسے ان پڑھ اور جاہل سے تعبیر کیا ہے اور

اس کے نتیجے میں اسلام سے پہلے کے تمام ـــــ اہل مکہ کو بھی امیّون یا ان پڑھ کہہ کر متعارف کرایا ہے[1]۔

اول تو بہت ہی قدیم زمانے سے مسلمان مفسروں نے لفظ امیّ اور امیون کی تفسیر تین طریقے پر کی ہے اور کم سے کم تین احتمالات کا اظہار اس کے بارے میں کیا ہے ڈاکٹر سیّد عبداللطیف کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ وہ ایک ہی معنی سے چپکے رہے ہیں۔

دوسرے یہ کہ کسی نے بھی یہ نہیں کہا کہ لفظ امی کے معنی "وہ نوزائیدہ بچّہ جس کی آنکھیں اور کان بند ہوں" ہیں جس کے ضمنی معنی نکلیں "وہ شخص جو پڑھ لکھ نہ سکتا ہو" یہ لفظ بنیادی طور پر نوزائیدہ کے معنی میں استعمال ہوتا بھی نہیں ہے۔ یہ بڑی عمر والے کے لئے استعمال ہوتا ہے جو لکھنے پڑھنے کے معاملے میں اس حالت میں ہے جو ماں کے پیٹ سے نکلنے کے وقت ہوتی ہے۔ منطق کے علماء کی اصطلاح میں یہ لفظ عدم وملکہ کا مفہوم دیتا ہے۔ مسلمان علماء منطق نے اس لفظ کو منطق کی کتابوں میں عدم وملکہ کی مثال دینے کے لئے استعمال کیا ہے۔

تیسرے یہ جو کہا ہے "اس لفظ کا ایک معنی یہ بھی تھا: "قدیم سامی کتابوں کی عبارت سے ناواقف ہونا" تو یہ کہنا بھی درست نہیں۔ جو بات، قدیم مفسروں اور اہل لغت سے معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جمع کی صورت میں اہل کتاب کے مقابلے میں مشرکین عرب

---

[1] نشریہ کانون سردفتران شمارہ آبان ماہ ۴۴ نقل از نشریہ آموزش و پرورش شمارہ شہریور ۴۴

کو امیین کہا گیا ہے وہ بھی اس لیے کہ مشرکوں کی غالب اکثریت ان پڑھ تھی۔ اور بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تحقیر کا یہ عنوان یہودیوں اور عیسائیوں نے ان کو دیا ہو۔

یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ لوگ جو اپنی زبان میں لکھ پڑھ سکتے ہوں مگر کسی مخصوص زبان یا کتاب سے آشنا نہ ہوں امیین کہہ دیئے جائیں۔ کیوں کہ بہرحال اس لفظ کا مادہ اس تفسیر کے مطابق کلمہ ام ہے اور اس پہلی حالت جس پر ماں نے پیدا کیا ہے باقی رہنے کا مفہوم اس سے پیدا ہوتا ہے۔

رہ گیا اس کا مادہ ام القریٰ سے مشتق نہ سمجھا جانا تو اس کا سبب باوجودیکہ اس کا احتمال بیان کر دیا گیا ہے بہت سے اشکال رکھتا ہے جو اس معنی میں موجود ہیں اور اس سے پہلے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ لہٰذا ان ہندوستانی دانشور صاحب کی جرأت بے جا ہے اور اس دعوے کی تائید اس لفظ کے کچھ دوسرے استعمال سے جو روایات و تواریخ میں دیئے گئے ہیں سوا "سبق نہ پڑھے ہوئے" کے دوسرا مفہوم نہیں ملتا بحار الانوار کی سولھویں جلد (طبع جدید) میں لکھا ہے کہ خود پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایت ہے۔ نحن امۃ امیۃ لا نقرؤ ولا نکتب

"ہم ایک امی قوم ہیں جو نہ پڑھتی ہے نہ لکھتی ہے۔ ابن خلکان اپنی تاریخ کی چوتھی جلد میں محمد بن عبد الملک معروف بہ ابن زیات، وزیر معتصم و متوکل کے حالات میں لکھتا ہے۔

"وہ پہلے عباسی خلیفہ معتصم کے کاتبوں میں شامل تھا اور وزارت کے عہدے پر احمد بن شاذی

تھا۔ ایک دن معتصم کے پاس ایک خط آیا اور وزیر نے اسے یہ خط پڑھ کر سنایا اس خط میں لفظ "کلاء" تھا۔ معتصم نے جس کی معلومات نفی کے برابر تھیں وزیر سے پوچھا "کلاء" کیا ہے۔ وزیر بھی نہیں جانتا تھا۔ معتصم نے کہا، خلیفہ امی ہے وزیر عامی ہے " یعنی خلیفہ بے پڑھا ہے اور وزیر جاہل ہے پھر کہا کسی کاتب کو بلا بھیجو۔ جسے ابن الزیات موجود تھا اس لفظ کے معنی چند دوسرے الفاظ میں جو قریب المعنی تھے بتائے۔ اور ان کے درمیان جو فرق تھا اسے بھی بیان کیا۔ یہ واقعہ ابن الزیات کے وزیر ہونے کا پیش خیمہ ہوا۔

معتصم نے عوامی زبان میں بات کی ہے۔ لفظ امی کا مطلب سبق نہ پڑھا ہوا لیا ہے نظامی کہتا ہے۔

احمد مرسل کہ خرد خاک اوست — ہر دو جہاں بستۂ فتراک اوست
امی گویا بہ زبانِ فصیح — از الف آدم و میم مسیح
ہمچو الف راست بعہد وفا — اوّل و آخر شدہ بر انبیاء

رسول اللہ احمدؐ خرد جن کے قدموں کی خاک ہے۔ دونوں عالم ان کے شکار کے جال میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ امی ہیں جو فصیح زبان سے تمام پیغمبروں کی حکمت بیان کرتے ہیں۔

اپنے وفا کے وعدے پر الف کی طرح سیدھے وہ پیغمبروں کے سلسلے کا آغاز بھی ہیں انجام

دوسرا حصہ

کیا قرآن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ رسول اکرم نے لکھا پڑھا تھا

ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب اس بات کے مدعی ہیں کہ قرآن مجید کی بعض آیتوں سے صراحت کے ساتھ یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آنحضرت نے پڑھا بھی تھا اور لکھا بھی تھا۔ ان آیتوں میں سے سورہ آل عمران آیت کی ۱۶۴ بھی ہے۔

"لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیہم رسولاً منہم یتلو علیہم آیاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین"

اللہ نے مومنوں پر مہربانی کی جب ان میں سے ایک رسول اٹھایا جو ان کے سامنے آیتیں تلاوت کرتا ہے اور ان کو پاکیزہ بناتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے جبکہ اس سے پہلے وہ لوگ کھلم کھلا گمراہی میں پڑے تھے۔

وہ کہتے ہیں

قرآن کی صراحت کے بموجب پیغمبر کا فریضہ یہ تھا اپنے پیروؤں کو قرآن کی تعلیم دیں اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ جو شخص کتاب یا اس کے مضامین اور کسی کتاب کی حکمت دوسروں کو سکھاتا ہے اس کے لئے کم سے کم یہ لازم ہے کہ قلم سے کام لے سکتا ہو یا کم سے کم جو قلم سے لکھا گیا ہو اسے پڑھے اور یہ صراحت قرآن

ہی میں موجود ہے۔[1]

یہ استدلال کچھ عجیب سے نظر آتا ہے۔

اول تو یہ کہ اس بات پہ تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے اول تو یہ کہ اس بات پہ تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ رسول اللہؐ نے رسالت سے پہلے نہ پڑھا ہے نہ لکھا ہے اور ڈاکٹر صاحب اسکے خلاف ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

زیادہ سے زیادہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے زمانۂ رسالت میں پڑھا ہے اور لکھا ہے جیسا کہ سید مرتضیٰ اور شعبی اور ایک دوسرے گروہ (علماء) کا عقیدہ ہے۔ اس لئے ڈاکٹر سید عبد اللطیف صاحب کا اس سے مدعا پورا نہیں ہوتا۔

دوسرے عہد رسالت کے لحاظ سے بھی یہ استدلال نامکمل ہے۔

اس کی وضاحت یوں ہو سکتی ہے کہ کچھ تعلیمات ایسے ہیں جیسے کہ وہ تعلیم جو نئے طلبہ کو دیجاتی ہے کہ انہیں لکھنا پڑھنا سکھایا جا سکے یا ریاضی اور اسی قسم کے دوسرے علوم کی تعلیم جن میں قلم اور کاغذ نقشے کی ضرورت پڑتی ہے اور معلّم کو عملاً بتانا پڑتا ہے تاکہ طالب علم شاگرد اسے سیکھ لے۔ لیکن حکمت و اخلاق اور حلال وحرام کی تعلیم دینے کے لئے جو پیغمبر کا کام ہے علم کاغذ نقشے اور تختۂ سیاہ، کی کی ضرورت نہیں۔

ان فلاسفہ کو جن کو مشائین کہا جاتا ہے مشائین اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ طالب علم

---

[1] دیکھئے نشریہ کانون دفتر ان نقل از نشریہ آموزش وپرورش

کو راستہ طے کرتے ہوئے یا چلتے ہوئے تعلیم دیتے جاتے تھے۔ ہاں طلبہ کو جو حاصل کئے ہوئے علم کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں تاکہ وہ بھلا نہ سکیں اسے لکھ لینے کی ضرورت ہے۔ اسی لئے کہ رسول خدا برابر تاکید فرماتے تھے کہ آپ کے بیانات لکھ لئے جائیں آپؐ نے فرمایا "قیدوا العلم" علم کو قید کر لو۔ کیسے قید کریں فرمایا لکھ لو[۱]

آپ نے فرمایا

خوش رکھے خدا اس بندے کو جو میری باتیں سنتا ہے اور ان لوگوں تک پہونچاتا ہے جنہوں نے نہیں سنا؛ ہے۔

حدیث میں ہے کہ رسول خدا نے تین مرتبہ اپنے بعد کے لوگوں کے لئے فرمایا، خدایا میرے جانشینوں پر رحمت فرما۔ لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ آپ کے جانشین کون ہیں فرمایا وہ لوگ جو میرے بعد آئیں گے اور میری باتوں اور میرے طریقے کو اختیار کریں گے اور دوسروں کو تعلیم کریں گے۔[۳]

اسی طرح فرمایا نضر اللہ عبداً اسمع مقالتی فوعاها وبلغها من لم یسمعها

من حق الولد ان یحسن اسمه وان یعلمه الکتاب وان یزرحه اذا بلغ

بچے کا باپ پر یہ حق ہوتا ہے کہ وہ اس کا اچھا سا نام رکھے اسے لکھنا سکھائے

---

[۳] بحار الانوار طبع جدید جلد ۲ صفحہ ۱۵۵

[۱] کافی جلد ۱ صفحہ ۴۰۳

اور جب وہ بالغ ہو تو اس کا جوڑا (بیوی) فراہم کر دے[1]

قرآن کریم پوری صراحت سے کہتا ہے یاایھا الذین آمنوا اذا تداینتم بدین الیٰ اجل مسمی فاکتبوہ ولیکتب بینکم کاتب بالعدل

اے ایمان لانے والو جب تم کوئی لین دین کرو کسی مقررہ مدت تک کا تو اسے لکھ لو اور چاہیئے کہ اسے تم میں کا کوئی عادل (ایماندار) کاتب لکھے[2]

اس لئے اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے بموجب لازم ہے کہ مسلمان اپنے آثار دینی کی حفاظت کے لئے بھی اور اپنی اولاد کے حقوق ادا کرنے کے لئے بھی اور اپنی دنیا کے انتظام کے لئے بھی تحریر (یا کتابت) کی ترغیب میں سرگرم ہوں۔ یہی مقصد قلم کی تحریر کے وجود میں آنے کا سبب بنا اور ایسی تحریک کا سبب بنا کہ وہی قوم جس میں پڑھے لکھے لوگ انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے اس طرح علم و حکمت اور پڑھنے لکھنے کی طرف مائل ہو گئی کہ انہیں سے ایک جماعت نے مدینے میں ہی رہ کر کچھ دوسری زبانیں سیکھ لیں اور دنیا بھر کی مختلف زبانوں میں اسلام کا پیغام پہونچانے کے قابل ہو گئے۔

ہم تواریخ میں پڑھتے ہیں کہ بدر کے قیدیوں کو پیغمبرؐ نے فدیہ لے کر آزاد کر دیا۔ ان میں سے کچھ قیدیوں کو جو نادار تھے بغیر فدیہ لئے آزاد کر دیا اور کچھ

---

[1] وسائل الشیعہ جلد ۳ صفحہ ۱۳۴

[2] سورۂ بقر آیت ۲۸۲

قیدیوں کے ساتھ جو لکھنا جانتے تھے یہ معاہدہ کیا کہ ان میں سے ہر قیدی مدینے کے دس لڑکوں کو لکھنا سکھا دے تو آزاد کر دیا جائے گا۔[۵۱]

ہاں! پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس حد تک اصرار تھا کہ یہ فن رائج ہو۔ مسلمان علم و دانش حاصل کرنے کی طرف مائل ہوں۔ لیکن اسکے باوجود کوئی یہ نہیں مانتا کہ خود رسول اکرمؐ کو اس بات کی ضرورت تھی کہ لوگوں میں تعلیم و تبلیغ کے لئے آپ لکھنے پڑھنے سے کام لیں۔

عظیم المرتبت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں۔

" خدا نے پہلے ہی سورے میں قلم اور لکھنے کا ذکر کیا ہے۔ کیا یہ آیتیں صاف اور روشن دلیل اس بات کی نہیں ہیں کہ پیغمبر اسلام پڑھنا لکھنا جانتے اور کتاب و قلم سے سروکار رکھتے تھے یہ کیونکر ممکن ہے کہ پیغمبر اکرم تو لوگوں کو علم و تعلیم اور لکھنے پڑھنے کا شوق دلائیں اور بذات خود پڑھنے لکھنے کی طرف توجہ نہ کریں جب کہ آپ ہر کام میں پیش قدمی خود فرماتے تھے۔"[۵۲]

یہ استدلال بھی عجیب ہے۔

یہ آیتیں اس بات کی دلیل ضرور ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو ایسے بندوں کی ہدایت کے لئے نازل کیا ہے جو بندے ہیں اور وہ پیغمبر بھی جن کے قلب مقدس پر ان آیتوں کا نزول

---

۵۱ تاریخ الخمیس دیار بکری جلد اول صفحہ ۳۹۵۔ اور سیرۃ الحلبیہ جلد ۲ صفحہ ۳۰۴

۵۲ رسالہ روشن فکر

ہوتا ہے انسان کے لکھنے پڑھنے کی قدر وقیمت جانتے ہیں لیکن یہ آیتیں اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو یا اس کے پیغمبر کو پڑھنے لکھنے یا قلم کاغذ سے سروکار ہے۔

ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں

پیغمبر اکرمؐ ان تمام احکامات میں جو آپ صادر فرماتے تھے خود پیش پیش رہتے تھے پھر کیونکر ہو سکتا ہے کہ یہ حکم تو دیں لیکن اس پر خود عمل نہ کریں۔

یہ بالکل ایسی ہی بات ہوئی کہ ہم یہ کہیں کہ طبیب جو نسخہ دوا کا بیمار کو دیتا ہے اسے پہلے خود استعمال کرے تو یہ بھی بات ہے کہ اگر طبیب بیمار ہے اور اسے اسی دوا کی ضرورت پڑ جاتی ہے جس کی ضرورت بیماروں کو ہوتی ہے تو وہ دوسروں سے پہلے خود ہی وہ دوا استعمال کرے گا۔ لیکن اگر وہ بیمار نہیں ہے اور اس کو دوا کی ضرورت نہیں پڑی تو وہ کیوں استعمال کرے۔

ہمیں دیکھنا چاہیئے کہ دوسروں کو لکھنے پڑھنے کی جو ضرورت ہے کیا وہ پیغمبر اکرم کو بھی تھی کہ جس سے اس فن کا مالک ہونا ان کے لیئے باعث کمال اور اس کا مالک نہ ہونا ان کے لئے نقص کا باعث ہوتا لیکن انہوں نے اپنی ہدایت پر خود عمل نہیں کیا یا پیغمبر کی ایک خاص حیثیت تھی اور ان کو ایسی احتیاج نہ تھی۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادت، ایثار، تقویٰ، سچائی، امانتداری، حسن خلق، جمہور نوازی، تواضع اور تمام اخلاق و آداب حسنہ میں سب سے آگے تھے کیوں کہ یہ ان کے لئے کمال کا باعث تھیں اور اگر یہ سب ان کو نہ حاصل ہوتیں تو نقص ہوتا۔

لیکن باسواد ہونے کا معاملہ اس قسم کا نہیں

افراد بشر کے نزدیک لکھنے پڑھنے کی غیر معمولی قدر اس بنا پر ہے کہ اس سے افراد بشر کو ایک دوسرے سے فائدہ پہونچتا ہے۔ لکھاوٹیں وہ علامتیں اور رموز ہیں جنہیں ایک دوسرے کے افکار و مقاصد کو سمجھنے کے لئے مقرر کرلیا گیا ہے۔ تحریر ایک ذریعہ ہے۔ جس سے ایک فرد کے معلومات دوسری نسل تک پہونچتے ہیں۔ اس وسیلے سے آدمی اپنے معلومات کو فنا ہونے نابود ہونے بھلائے جانے سے بچا سکتا ہے۔ پڑھا لکھا ہونا اس لحاظ سے ایسا ہی ہے جیسے زبان جاننا۔ انسان ہر لحاظ سے جتنی زیادہ زبانیں جانتا ہے دوسرے اشخاص سے معلومات حاصل کرنے کے اتنے ہی زیادہ وسیلے اس کے اختیار میں ہوتے ہیں۔

کسی زبان کو جاننا یا لکھا پڑھا ہونا حقیقتاً علم نہیں ہے لیکن علم کی کنجی ضرور ہے علم اسے کہتے ہیں کہ انسان ایک حقیقت اور ایک اصول سے جو عین ہستی کے اندر موجود ہے آگاہ ہو جائے۔ طبیعیات، منطق، ریاضی وغیرہ علم ہیں۔ کیوں کہ ان علوم سے آدمی خارجی یا ذہنی اشیاء کے درمیان حقیقی تکوینی علّی اور معلولی رابطہ دریافت کرلیتا ہے۔ لیکن زبان قواعد زبان یا ان کی ایسی دوسری باتوں کو جاننا علم نہیں کیونکہ اس واقفیت سے ہم کو اشیاء کے درمیان جو ایک حقیقی رابطہ ہے اس سے آگاہی نہیں ہوتی بلکہ یہ ایک ایسے فرضی اور خیالی سلسلۂ امور سے ہمیں آگاہ کرتا ہے جو مفروضے اور خیال سے آگے نہیں بڑھتا۔ تو ان امور کو جاننا علم کی کنجی کا حاصل ہونا ہے علم کا نہیں۔

ہاں انہیں فرضی امور کی اساس پر زبانوں کی قواعد سازی اور ترکیب بندی کی طرح

کا ایک امر واقعی ظہور میں آتا ہے جو افکار کے ارتقاء کی نشاندہی کرتا ہے اور ایک فطری اصول کے مطابق تشکیل پاتا ہے۔ البتہ ان فطری قوانین سے آگاہی فلسفہ اور سائنس کا ایک حصّہ ہے اس لئے با سواد ہونا اس لحاظ سے باعث قدر و قیمت ہے کہ اس سے دوسروں کے علم و حکمت کی کنجی ہاتھ آجاتی ہے۔

آیئے اب یہ دیکھیں کہ حکمت کا حصول اس پر منحصر ہے کہ آدمی دوسروں کی دانش کی کنجی حاصل کرے اور انہیں کی حکمت سے فائدہ حاصل کرے۔ کیا پیغمبر کو عام انسانی حکمت سے استفادہ کرنا چاہیئے اگر ایسا ہی ہے تو ابدع اور ایجاد کہاں گئی۔ اشراق و الہام کہاں گئے فطرت سے بالمراست حاصل ہونے والی حکمت کہاں گئی۔ یہ تو طے ہے کہ استادی کی پست ترین قسم وہ ہے جو دوسروں کی تحریر و تقریر سے کی جائے قطع نظر اس کے کہ اس میں خود استاد کو کوئی دخل نہیں ہوتا خود انسان کی تحریروں میں حقائق و اوہام گڈ مڈ ہوجاتے ہیں۔

مشہور فرانسیسی فلسفی دیکارٹ نے جب اپنے مقالات کا ایک سلسلہ شائع کر دیا تو اس کی شہرت کا ڈنکا ہر طرف بجنے لگا اور اس کے جدید اقوال پر سب تحسین و تعجب کرنے لگے۔ اس کے مقالات پڑھ کر حیران رہ جانے والوں میں سے ایک شخص نے ڈاکٹر سید عبداللطیف کی طرح سوچا اور خیال کیا کہ دیکارٹ کو کچھ قلمی نسخوں اور کتابوں کا ذخیرہ ہاتھ آگیا ہے اور اس نے اپنے معلومات انہیں سے حاصل کئے ہیں۔ وہ اس سے ملنے گیا اور اس سے مطالبہ کیا کہ دیکارٹ اپنا کتب خانہ اسے دکھائے دیکارٹ اسے ایک احاطے میں لے گیا جہاں ایک بچھڑے کا جسم چیرا پھاڑا ہوا پڑا تھا۔ اسے دکھا کر دیکارٹ نے

اس سے کہا "یہ ہے میرا کتاب خانہ میں نے اپنے معلومات اس کتاب سے حاصل کئے ہیں۔
مرحوم سید جمال الدین نے کہا ہے "حیرت ہے کہ بعض لوگ چراغ کے نیچے بیٹھ کر اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی تحریریں پڑھنے میں ایک عمر گذار دیتے ہیں مگر ایک رات خود اس چراغ کا مطالعہ کرلیں تو ان کو زیادہ اور وسیع معلومات حاصل ہوجائیں، کوئی شخص دنیا میں عالم پیدا نہیں ہوتا، بھی لوگ پہلے جاہل ہوتے ہیں بعد میں کم و بیش عالم بن جاتے ہیں اور صحیح بات تو یہ ہے کہ ہر شخص سوا خدا کے بہ نفس خود جاہل ہوتا ہے اور دوسری قوتوں، علل اور اسباب کی بنا پر عالم ہوجاتا ہے۔ اسلئے ہر شخص ایک معلم کا محتاج ہے یعنی ایک ایسی قوت، ایسی طاقت کا محتاج ہے جس سے اسے الہام حاصل ہو۔

خداوند تعالیٰ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کہتا ہے

کیا تم یتیم نہ تھے، جب خدا نے تم کو پناہ دی راہ گم کردہ اور بے خبر نہ تھے جب خدا نے تمہاری رہنمائی کی، اور باخبر کیا، تہیدست نہ تھے جب خدا نے تمہیں بے نیاز بنایا۔[1]

مگر بات معلم کی ہے کہ وہ لازماً کون اور کیا ہو۔ کیا ایک انسان کو دوسرے انسان سے ہی علم سیکھنا چاہیئے؟ تب تو لازم ہے کہ دوسرے آدمی کے علم کی کنجی جسے باسواد ہونا کہتے ہیں اپنے قبضے میں لے لی جائے، تو کیا انسان کو یہ مقدور ہے کہ خود ہی کوئی نئی بات پیدا کرے؟

---

[1] سورۂ ضحیٰ

کیا انسان سے یہ نہیں ہوسکتا کہ دوسرے انسانوں سے بے نیاز ہو کر کتاب فطرت و خلقت کا مطالعہ کرے کیا انسان کو وہ مقام وہ درجہ حاصل نہیں کہ غیب و ملکوت سے رابطہ پیدا کرلے اور خدا ہی بالراست اس کا معلم اور ہادی ہوجائے قرآن کریم پیغمبر کے بارے میں کہتا ہے۔ ماینطق عن الھوٰی ہ ان ھو الا وحی یوحیٰ ہ علمہ شدید القویٰ ہ

وہ اپنے جی سے کوئی بات نہیں کرتا جو کچھ کہتا ہے بجز وحی کے جو اس کو حاصل ہوتی ہے کچھ اور نہیں وہ جو بڑی قوتوں والا ہے اسنے اسے تعلیم دی ہے۔

حضرت علی علیہ السلام حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ولقد قرن اللہ بہ من لدن کان فطیما اعظم ملک من ملائکتہ یسلک بہ طریق المکارم ومحاسن اخلاق العالم لہ

اسی زمانے سے جب وہ بچے تھے اور ابھی دودھ پینا ہی شروع کیا تھا کہ خدا نے اپنے سب سے عظیم فرشتے کو اس بات پر مامور کر دیا کہ وہ ان کی نگرانی کرے۔ وہ فرشتہ انہیں بزرگی کی راہ پر لے جاتا تھا اور دنیا کے بہترین اخلاق پر عمل کرنے کی تحریک کرتا تھا۔

آنطرف کہ عشق می افزود درد | بو حنیفہ بشافعی درسی نہ کرد
عاشقان راشد مدرس حسن دوست | دفتر و درس دسبقستان روئے اوست
خامشند و نعرہ تکرارشان | میرود تا عرش و تخت یارشان

درسشاں آشوب وچرخ وزلزلہ — نے زیادات است وباب وسلسلہ

سلسلۂ ایں قوم جعد مشکبار — مسئلہ دور است اما دور یار

ہرکہ در خلوت بہ بینش یافت راہ — او ز دانشہا نجوید دستگاہ

(رومی دفتر سوم)

عارف از پرتو مے راز معانی دانست — گوہر ہر کس ازیں لعل توانی دانست

شرح مجموعۂ گل مرغ سحر داند و بس — کہ ہر کو ورقی خواند معانی دانست

اے کہ از دفتر عقل آیت عشق آموزی — ترسم ایں نکتہ بہ تحقیق ندانی دانست

ترجمہ: جہاں عشق درد بڑھا دیتا ہے وہاں امام ابوحنیفہ اور امام شافعی کے درس نہیں ہوتے یعنی جب باطنی تہذیب ہوتی ہے تو ظاہری یا خارجی تہذیب کی ضرورت نہیں پڑتی۔

عاشقوں کا علم تو محبوب کا حسن ہے اسکی کتابیں اس کا سبق اسکا درس محبوب کے چہرے سے لیا جاتا ہے یعنی لطف الٰہی اسکا علم ہوتا ہے اور اسکی توجہ اسکی تعلیم ہوتی ہے نہ کہ کسی دنیاوی استاد سے۔

وہ چپ رہتے ہیں لیکن انکے سبق رٹنے کی بلند آواز انکے محبوب کے عرش اور تخت تک پہونچ جاتی ہے، یعنی جس طرح استاد سبق دے کر بچوں سے کہتا ہے اسے بار بار دہرائیں تاکہ یاد ہو اور بچوں کی آواز بلند ہوتی ہے اسی طرح عشق الٰہی سے سرشار ہونے والے بظاہر تو چپ رہتے ہیں لیکن ان کا دل جو کچھ ذکر کرتا ہے اس کی آواز خدا تک پہونچتی رہتی ہے۔

ان کا سبق دنیا کی مصیبتیں، دنیا کی گردش اور ہنگامے ہوتے ہیں وہ زیادات، ورباب یا سلسلہ نامی

ابن خلدون اپنے مشہور مقدمے کی فصل " فی ان الخط والکتابۃ من عداد الصنائع الانسانیۃ میں اس عنوان پر بحث کرتا ہے کہ تحریر اس لحاظ سے ایک کمال ہے کہ انسان کی زندگی معاشرتی ہے اور افراد معاشرہ کو ایک دوسرے سے معلومات حاصل کرنے کی ضرورت ہے ایک بھرپور بحث کے بعد وہ بہت سے ممالک کی تہذیب میں رسم الخط کی ترقی کا ذکر کرتے ہوئے حجاز کے علاقے میں لکھنے کے رواج کی طرف اشارہ کرتا ہے اسکے بعد کہتا ہے۔

" اسلام کے ابتدائی زمانے میں رسم الخط نے ایک فن کی حیثیت سے ابتدائی مرحلے طے کئے ہیں اور صحابہ کی تحریر رسم الخط کے لحاظ سے نقص سے خالی نہ تھی لیکن اس کے بعد تابعین اور ان کے بعد کے لوگوں نے اسی رسم الخط کو برکت وسعادت سمجھ کر کتابت قرآن کا تحفظ کیا اور اس سے آگے نہیں بڑھے باوجود دیکھے ان میں سے بعض املا

بقیہ صفحہ گذشتہ:

نامی کتابوں سے سبق نہیں پڑھتے۔ یعنی قدرت کے کرشموں کا مطالعہ کر کے معرفت الہیٰ حاصل کرتے ہیں درسی کتابیں پڑھ کر نہیں۔

ان کی سلسلہ محبوب کی مشکبار زلف۔ اور ان کی منطق کتابی نہیں الہامی ہوتی ہے۔

جو تنہائی میں نگاہ پیدا کرتا ہے اس کو فلسفہ پر عبور حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

عارف تو شراب معرفت کی روشنی میں اسرار باطنی جان لیتا ہے ہر آدمی کا جوہر اس بادہ سرخ سے سمجھ لیتا ہے پھولوں کے دیوان کی شرح صبح کو بیدار ہونے والے طائر جانتے ہیں ایک وہ ورق پڑھنے والے اس کے معنی نہیں سمجھتے

اے عقل کی کتاب سے عشق کی آیت پڑھنے والے مجھے ڈر ہے کہ تو اس نکتے کو صحیح صحیح نہیں سمجھ سکے گا۔

قاعدے کے خلاف تھے اسی لئے قرآن مجید کے بعض الفاظ اپنے خاص املائی صورت میں باقی رہ گئے ہیں۔

رسم الخط کا قسم کے فنی اور عملی کمالات جن کا تعلق زندگی کے سازوسامان سے ہے اور ایک نسبتی حیثیت رکھتے ہیں ان کو ایسے مطلق کمالات کے مماثل نہیں قرار دینا چاہیئے جن کے نہ ہونے سے انسان کی انسانیت میں حقیقی نقص واقع ہوتا ہے۔

ابن خلدون اس موقع پر رسول اللہ کے امی ہونے کی بحث چھیڑتا ہے اور اس کے بیان کا خلاصہ یہ ہے۔

" پیغمبر امی تھے۔ ان کا امی ہونا ہی ان کا کمال تھا کیونکہ انہوں نے اپنا علم بالا سے حاصل کیا تھا۔ لیکن ہمارے لئے امی ہونا نقص ہے کیونکہ یہ جاہل ہونے کے برابر ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے جس دوسری آیت سے سند لی ہے وہ سورۂ "لم یکن" کی تیسری اور چوتھی آیت ہے۔ فرماتے ہیں۔

بڑی حیرت کی بات ہے کہ قرآن کے مترجم اور مفسر حضرات نے اس آیت کی طرف توجہ نہیں کی ہے۔ جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح کی گئی ہے اس میں کہا گیا ہے۔

رسول من اللہ یتلو صحفا مطھرۃ

یعنی اللہ کے پیغمبر یعنی محمدؐ جو مقدس اور پاک صحیفوں کو پڑھتے ہیں۔ اس پر غور کرنا چاہیئے کہ ان آیتوں میں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ پیغمبر ان مقدس صحیفوں کو اپنی

تائید میں نقل کرتے ہیں بلکہ صراحت کی گئی ہے کہ ان صحیفوں کو پڑھتے ہیں اور سامنے رکھ کر پڑھتے ہیں۔

اس دلیل کا جواب اس وقت صاف ہوگا جب اوپر دی ہوئی آیت کے الفاظ میں سے دو لفظوں کے مفاہیم روشن ہوں گے ایک لفظ ہے "صحیفہ" دوسرا "تیلو"۔

صحیفہ کے معنی ہیں ورق اور صحف جمع ہے صحیفہ کی۔ اس آیت کے معنی اس کے بعد کے جملے کو ملا کر جس میں کہا گیا ہے فیہا کتب قیمۃ یہ ہوتے ہیں،

پیغمبر پاک و پاکیزہ اوراق کو جن میں صحیح اور پائیدار تحریر ہے لوگوں کو پڑھ کر سناتے ہیں اور اوراق سے وہ صحیفے مقصود ہیں جن پر آیات قرآنی لکھی ہوئی ہیں لہذا اس کا مطلب یہ ہے کہ پیغمبر لوگوں کو قرآن پڑھ کر سناتے ہیں۔

لفظ "تیلو" تلاوت کے مادے سے ہے۔ ہمیں کوئی ایسی سند نہیں ملی جس میں تلاوت کے معنی سامنے رکھ کر پڑھنے کے نکلتے ہوں مجموعی طور پر جو کچھ اہل لغت نے کہا ہے اور لفظ "تلاوت" کے محل استعمال سے سمجھ میں آتا ہے یہ ہے کہ "بات کرنا" قرات یا تلاوت نہیں قرات و تلاوت کا محل استعمال اس گفتگو کے لئے ہے جو پڑھی جائے اور جو ایک متن سے تعلق رکھتی ہو چاہے اس متن کو سامنے رکھ کر پڑھا جائے چاہے ازبر یعنی زبانی، مثلاً قرآن پڑھنا قرات و تلاوت ہے چاہے قرآن مجید کو دیکھ کر پڑھا جائے چاہے حافظے

مقدمہ ابن خلدون طبع ابراہیم حلبی صفحہ ۱۹۴ و ۹۵

سے۔ پس ان دونوں لفظوں میں صرف ایک فرق ہے تلاوت خاص طور پر مقدس متن کو پڑھنے کیلئے استعمال ہوتا ہے جبکہ قرأت عام ہے آیات مقدس کے پڑھنے کیلئے بھی اور دوسری چیز کے لئے بھی مثلاً یہ کہنا درست ہوگا کہ میں نے گلستان سعدی کی قرارت کی لیکن یہ کہنا کہ میں نے گلستان سعدی کی تلاوت کی صحیح نہ ہوگا۔

ہر حال میں تلاوت اور قرارت کے مفہوم میں دیکھ کر یا زبانی پڑھنے کو دخل نہیں ہے اس لئے اوپر دی ہوئی آیت اس کے سوا کچھ نہیں کہتی کہ پیغمبر قرآن کی آیتیں جو صفحات پہ لکھی ہوئی ہیں لوگوں کے سامنے تلاوت کرتے ہیں۔

حقیقتاً اس کی ضرورت ہی کیا ہے کہ آنحضرت تلاوت آیات قرآن کرتے وقت دیکھ کر تلاوت کریں۔ قرآن کو صدہا مسلمان حفظ کئے ہوئے تھے کیا خود پیغمبر کو حفظ نہیں تھا اور ان کو دیکھ کر پڑھنے کی ضرورت تھی؟ اللہ نے ان کے حفظ کرنے کی ضمانت دی تھی۔

سنقرئك فلا تنسىٰ

(آپ کو پڑھا دیں گے تو آپ بھولیں گے نہیں)

سب ملا کر یہ معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی آیتوں سے کسی طرح یہ پتہ نہیں چلتا کہ رسول اللہ پڑھتے یا لکھتے ہیں بلکہ اس کے خلاف پتہ چلتا ہے۔ اور بالفرض یہ ثابت بھی ہو جائے کہ آنحضرت پڑھتے ہیں اور لکھتے ہیں تو اس کا تعلق عہد رسالت سے ہوگا جبکہ ڈاکٹر عبداللطیف صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ رسول خدا رسالت سے پہلے پڑھتے لکھتے رہے ہیں۔

تیسرا حصّہ

تواریخ و احادیث

عالیجناب ڈاکٹر عبداللطیف صاحب اس بات کے مدعی ہیں کہ تواریخ اور احادیث سے بھی یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ رسولِ خدا لکھتے بھی تھے پڑھتے بھی تھے وہ دو واقعات سے سند لیتے ہیں۔

۱ ــــ فرماتے ہیں۔

بخاری نے جو اخبار اور احادیث کتاب العلم میں درج کئے ہیں ان کے ضمن میں ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ ایکبار پیغمبرؐ نے ایک خفیہ خط اپنے داماد علیؑ کو دیا اور ان سے خاص طور پر کہا کہ اسے کھولیں نہیں مکتوب الیہ کا نام اچھی طرح یاد رکھیں اور خط اس تک پہنچا دیں۔ اگر پیغمبرؐ ایسا خفیہ خط بھیجتے ہیں کہ حضرت علیؑ تک جو ان کے داماد اور معتمد ہیں وہ بھی اسے پڑھکر اس کے مندرجات معلوم کرسکیں تو کیا ایسے خط کو سوا خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی اور کا لکھنا ممکن ہے!

افسوس یہ ہے کہ جو روایت صحیح بخاری میں درج ہے اس میں یہ ذکر کہیں نہیں کہ نامہ بر حضرت علیؓ تھے جبکہ ڈاکٹر صاحب موصوف چاہتے ہیں کہ یہ جتا کر کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خط کے مضمون کو حضرت علیؑ سے پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے یہ ثابت کریں کہ اس خط کو خود آنحضرتؐ نے تحریر فرمایا تھا۔

صحیح بخاری باب العلم میں کہا گیا ہے کہ آنحضرت نے ایک جماعت کو بھیجا اور اس کے سرگروہ سے فرمایا کہ فلاں مقام پر پہونچنے سے پہلے خط کو نہ کھولیں کہیں نہیں کہا گیا کہ اس جماعت کے سرگروہ

حضرت علی علیہ السلام تھے اور روایت کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کو خط کھولنا تھا وہ خود حامل مکتوب تھا کوئی تیسرا شخص نہ تھا جیسا کہ ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب نے خیال کیا ہے۔

امام بخاری نے جو روایت نقل کی ہے اس کا تعلق بطن نخلہ کے قصے سے ہے جو کتب سیر و تواریخ میں درج ہے۔ سیرۃ ابن ہشام میں سریہ عبداللہ بن جحش، کے تحت اور اسی طرح بحار الانوار میں بھی خاص روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ نامہ عبداللہ بن جحش تھے، کہا گیا ہے کہ آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا کہ دو دن کی قطع مسافت کے بعد اسے کھولیں اور جو کچھ درج ہے اس پر عمل کریں۔ عبداللہ بن جحش نے دو دن کی مسافت طے کرنے کے بعد خط کو کھولا اور فرمانِ رسالتمابؐ کے مطابق عمل کیا۔ واقدی کی مغازی میں صراحت کی گئی ہے کہ خط کے لکھنے والے ابی کعب تھے نہ کہ پیغمبر اکرمؐ۔ واقدی کہتے ہیں۔

عبداللہ بن جحش نے کہا کہ ایک رات کو نماز عشاء کے بعد آنحضرت نے مجھ سے فرمایا کہ صبح کو جلدی سے تیار اور مسلح ہو کر آئیں کہ ان کو ایک کام کرنا ہے۔ نماز صبح کے بعد جب لوگ مسجد میں آنحضرت کے انتظار میں تھے میں تیار اور مسلح ہو کر آنحضرت کے گھر میں موجود تھا۔ آنحضرت نے ابی ابن کعب کو بلوایا اور ایک خط لکھنے کا حکم دیا۔ آنحضرت نے پھر اس بند خط کو مجھے دیا اور فرمایا کہ میں تم کو ایک گروہ کا سردار بناتا ہوں فلاں راستے سے دو رات سفر کرنے کے بعد میرے خط کو کھولنا اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس پر عمل کرنا میں نے دو دن کا راستہ طے کرنے کے بعد اس خط کو کھول کر دیکھا اس میں حکم دیا گیا تھا کہ کاروان قریش کے بارے میں کچھ ضروری اطلاع حاصل کرنے کے لئے بطن نخلہ (مکہ اور طائف کے درمیان ایک مقام ہے) جاؤں۔ اسمیں ضمناً یہ بھی تاکید کر دی گئی تھی کہ اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو ساتھ چلنے پر مجبور نہ

کرنا چاہے تمہارے ساتھ جائے جو نہ چاہے وہ لوٹ آئے یقیناً یہ ایک خطرناک کام سونپا گیا تھا میں نے ساتھیوں سے کہا جو شہادت کے لئے تیار ہے وہ میرے ساتھ آئے جو آمادہ نہیں ہے اس کو اختیار ہے چاہے تو لوٹ جائے۔ سبنے ایک زبان ہو کر کہا:

نَحْنُ سَامِعُوْنَ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ ذٰلِكَ "ہم اللہ اس کے رسول اور آپ کا حکم سن کر ماننے والے ہیں" لہذا جو ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب نے اس سے استناد کیا ہے وہ بالکل بے بنیاد ہے۔

۲ ـــــ دوسرا واقعہ جس سے موصوف نے استناد کیا ہے حدیبیہ کا ماجرا ہے، فرماتے ہیں۔

جیسا کہ بخاری و ابن ہشام نے نقل کیا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معاہدہ کو پیا اور خود تحریر کیا پہلے تو یہ کہ بخاری نے ایک روایت ایسی لکھی ہے اور دوسری روایت اس کے برخلاف لکھی ہے۔ علماء اہل سنت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ اگرچہ بخاری کی ظاہری عبارت سے یہ گمان ہوتا ہے کہ خود رسول اکرم نے تحریر کیا ہے لیکن راوی کا یہ منشا نہیں ہے۔ سیرۃ حلبیہ میں معمول کے مطابق یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد یہ لکھا ہے، پیغمبر اکرم نے لفظ رسول اللہ مٹانے کے لئے علی سے مدد لی، پھر بخاری کی روایت نقل کی ہے کہ کچھ لوگوں کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہ نے یہ ایک معجزہ دکھایا تھا، لیکن اس کے بعد کہا ہے۔

"بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اہل علم نے اس روایت کو اس صورت میں معتبر نہیں جانا۔ ان کے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھنے کا حکم دیا نہ کہ خود لکھا" (صاحب سیرۃ حلبیہ)

کہتا ہے۔ ابوالولید باجی مالکی اندلسی نے چاہا تھا بخاری کی عبارت کے ظاہری معنی لے لیکن علماء اندلس کی طرف سے اس کا انکار شدت سے ہوا۔ لیکن سیرۃ ابن ہشام میں ایسی کوئی بات ہرگز نہیں ہے نہیں معلوم ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب نے ابن ہشام سے اسے نسبت کیوں دی۔

ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ تاریخ کی رو سے جو کچھ اکثر روایتوں سے پتہ چلتا ہے یہ ہے کہ جو کچھ لکھا گیا تھا حضرت علی کے ہاتھوں لکھا گیا تھا۔ صرف طبری اور ابن اثیر کی عبارتوں سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ پیغمبرؐ باوجود اس کے کہ لکھنا نہیں جانتے تھے معاہدے کو لیا اور خود ہی تحریر کیا۔ تو اب زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آنحضرتؐ نے عہد رسالت میں ایک یا ایک سے زیادہ موقع پر لکھا ہے۔ مگر یہاں بحث عہد رسالت سے پہلے کے دور سے ہے۔

ہم نے اس مقالے کی ابتدا ہی میں کہا ہے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کے دشمنوں نے تاریخ میں آنحضرت پر الزام لگایا تھا کہ آپ سنی سنائی باتوں سے اخذ مطلب کرتے ہیں (اس اتہام کی جھلک ہمیں قرآن مجید میں بھی ملتی ہے)، مگر اس طرح متہم نہیں کیا کہ چونکہ آپ لکھے پڑھے تھے اور پڑھنا لکھنا جانتے تھے اس لئے شاید آپ کے پاس کتابیں موجود ہیں اور جو مضامین آپ پیش کرتے ہیں انھیں کتابوں سے حاصل ہوئے ہیں۔

ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ کہہ دے کہ رسولؐ خدا پر اس قسم کی بھی تہمت لگائی گئی ہے اور اس اتہام کی بھی جھلک قرآن میں موجود ہے۔ چنانچہ سورہ فرقان کی پانچویں آیت ہے

وَقَالُوٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا

ان لوگوں نے کہا کہ یہ جو کہتے ہیں وہ اگلوں کے فسانے ہیں کہ جن کو لکھ لیا ہے لہٰذا ہر صبح و شام ان کو انھیں کا املاء اور القاء ہوتا ہے (پڑھ کر سنائے جاتے ہیں)

اس کا جواب یہ ہے کہ قطع نظر اس بات کے کہ یہ تہمتیں آنحضرتؐ کے دشمنوں کی لگائی ہوئی ہیں اور ان کی جھنجھلاہٹ اور بیچارگی کی پیداوار ہیں اسلئے قرآن کی تعبیر کے مطابق ان کو ظلم اور فریب کے سوا کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔ اس آیت میں اس بات کی بھی صراحت نہیں ہے کہ وہ لوگ اس بات کے مدعی تھے کہ پیغمبر نے ان کو خود ہی رقم کیا ہے بلکہ اکتتاب لکھنے کے معنی میں بھی آیا ہے اور استکتاب کے بھی یعنی کسی سے لکھوانے کے معنی میں بھی ہے۔

اس آیت کا قرینہ بتا رہا ہے کہ دوسرے معنی مراد ہیں کیونکہ آیت کا مضمون یہ ہے "کہتے ہیں کہ اگلوں کے افسانوں کو لکھا ہے (یا دوسروں نے ان کے لئے لکھا ہے) لہٰذا ہر صبح و شام ان کو پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ اکتتاب کو ماضی کی طرح اور املاء کو حال اور استمرار طور پر لکھا گیا ہے۔ یعنی وہ چیزیں جو پہلے لکھائی گئی ہیں دوسرے لوگ جو پڑھنا جانتے ہیں صبح و شام ان کے پاس آکر ان کو سناتے ہیں اور وہ یاد کر لیتے ہیں۔ اگر آنحضرت خود پڑھنا جانتے تو اس کی ضرورت نہ تھی کہ کہا جائے کہ دوسرے لوگ ہر صبح و شام ان کو املاء سناتے ہیں۔ اتنا کہنا کافی تھا کہ خود ہی ان کو دیکھ کر ذہن میں محفوظ کر لیتے ہیں لہٰذا دھوکے کی بات کرنے والے اور تہمت گھڑنے والے جو آنحضرت کے ہم عصر تھے ان پر ہر طرح کی تہمت لگاتے ہیں۔ انھیں دیوانہ کہتے ہیں۔ ساحر اور جادوگر کہتے ہیں ان کو نعوذ باللہ اکتتاب کا لقب دیتے ہیں دوسروں کی سنی سنائی افواہوں کی بنا پر متہم کرتے ہیں مگر یہ دعویٰ نہیں کر سکتے کہ چونکہ پڑھنا لکھنا

جانتے ہیں اسلئے دوسرے کے کتابوں کے مضامین کو اپنے نام سے ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں۔

جو کچھ اوپر کہا گیا ہے اس سے کچھ یہ بات روشن ہوجاتی ہے کہ تاریخ نے قطعی فیصلے کے مطابق، قرآنی اشارتوں کے بموجب اور ان بہت سے قرائن کی بنا پر جو تاریخ اسلام سے ملتے ہیں رسول اکرمؐ کی روح ضمیر دوسرے انسان کی تعلیم کے نقوش سے پاک تھی۔ آپ ایک انسان ہیں جس نے سوا تعلیم الٰہی کے مکتب کسی مدرسے کی صورت نہیں دیکھی اور حق کے سوا کسی کی حکمت نہیں سیکھی۔ آپ ایسے پھول ہیں کہ سوا باغبان ازل کے کسی دوسرے کو آپ کی نشو و نما میں دخل نہیں رہا ہے۔

آپ اگرچہ قلم بدست روشنائی اور لکھنے پڑھنے سے واقف نہ تھے مگر قلم کی ایک مقدس امر کے طور پر کھلتے ہیں اور اپنے اولین پیغام میں جو آسمان سے نازل ہوا ہے پڑھنے کا حکم دیتے ہیں۔ آپ بشر کو علم، حکمت اور قلم سے کام لینے کے ہنر سے آشنا کرتے ہیں جو نعمت تخلیق کے بعد سب سے بڑی نعمت ہے۔ وہ ہستی جس نے خود اپنے میں قلم کی تحریک چلائی ہے اور باوجودیکہ خود اپنے نہ بشر کی صنف میں سے کسی معلم سے پڑھا اور نہ خود کسی دارالعلم یا کالج سے گزرے تھے آپ انسانوں کے معلم اور بہت سے دارالعلوم اور دانش گاہوں کے باعث ہو جاتے ہیں

ستارۂ بدرخشید و ماہ مجلس شد : دل رمیدۂ ما را انیس و مونس شد

نگار من کہ بمکتب نرفت و خط ننوشت : بغمزہ مسئلہ آموز صد مدرس شد

کرشمہ تو شرابی بعاشقان پیمود : کہ علم بے خبر افتاد و عقل بے حس شد

(حافظ شیرازی)

(ایک ستارہ چمکا اور مجلس کا چاند بن گیا۔ میرے اس اداس دل کا انیس اور ہمدرد ہو گیا + میرا محبوب

جو نہ کبھی مدرسے گیا نہ کبھی کچھ لکھا اپنے غمزوں کی بنا پر سینکڑوں استادوں کا مسئلے سکھانے والا مدرس بن گیا تیری کارکرشمہ کاری نے عاشقوں کو وہ شراب پلائی علم بے خبری میں پڑ گیا اور عقل کے حواس جاتے رہے۔)

مختلف ادیان کے علماء سے گفتگو فرماتے ہوئے ایک مناظرے میں حضرت امام رضا علیہ السّلام نے راس الجالوت کو مخاطب کرکے فرمایا۔ اب بتا محمد کی سچائی کا مختلف دلیلوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ یتیم تھا۔ خالی ہاتھ گلہ بان مزدوری کا پیشہ

۱۔ ن والقلم وما یسطرون

۲۔ اقرأ باسم ربک الذی، خلق الانسان من علق، اقرا و ربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم

۳۔ بنا مجھ کے ستارہ جو ماہ مجلس تھا : دل رمیدہ کا اپنے انیس و مونس تھا
لکھا کبھی نہ پڑھا وہ نگار مکتب میں : مگر جو غمزہ تھا استاد صد مدرس تھا
بلا کے مے وہ کرشموں نے عاشقوں کو پلا : خبر نہ علم کو کچھ تھی نہ عقل کو حس تھا

نہ کوئی کتاب پڑھی تھی نہ کسی استاد کے پاس گئے تھے مگر وہ ایسی کتاب لائے جس میں پیغمبروں کے واقعات اگلے زمانے اور آنے والے دور کے لوگوں کی خبریں ہیں لئے

وہ بات جو قرآن کریم کو بہلے فصاحت سے زیادہ عظیم بنا اور آسمانی ہونے کی دعوے کو مدلل بناتی ہے جو یہ ہے کہ یہ عظیم آسمانی کتاب جس میں انسان کے مبدا اور معاد، اخلاق، قانون قصے عبرتیں اور موعظے ہیں اپنی لطافت خوبی اور فصاحت کے ساتھ ایک ایسی ہستی کی زبان سے جاری ہوئے ہیں جو خود امی تھی۔ نہ صرف یہ کہ تمام عمر کسی مدرسے یا دانشگاہ یا دارالعلم کو نہیں دیکھا تھا اور علماء سقہ عالم میں سے کسی حکم سے ملاقات نہیں کی تھی۔ یہاں تک کہ اپنے زمانے کی ایک معمولی سی کتاب بھی نہیں پڑھی تھی۔

وہ آیت وہ معجزہ جو خدائے تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبرؐ پر نازل کیا ایک کتاب و تحریر کی قسم سے ہے ایک قسم کا بیان ہے ایک قسم کا فکر و احساس ہے جس کا تعلق عقل، فکر دل اور ضمیر سے ہے یہ کتاب صدیوں سے اپنی معجزانہ قوت و معنویت کا پتہ دیتی رہی ہے اور دے رہی ہے۔ زمانہ اسے پرانا نہیں بنا سکا کروڑوں اربوں دلوں کو اپنی طرف کھینچتی رہی ہے اور کھینچ رہی ہے اس میں زندگی لہرا رہی ہے کتنے ہی مفکروں کے ذہن کو فکر و تدبر آشنا کیا ہے کتنے ہی دلوں کو روحانی ذوق و شوق اور ایمان سے بھر دیا ہے۔ کتنے ہی سحر خیزوں اور شب زندہ داروں کے لئے روحانی غذا بنی ہے اور خوف الٰہی و عشق الٰہی میں آدھی راتوں کو کتنے ہی چہروں پر آنسوؤں کی دھاریں بہا دی ہیں اور کتنی ہی زنجیر میں جکڑی ہوئی غلام قوموں کو ظلم و استبداد کے پنجے سے رہائی دلائی ہے۔

نقش قرآن چونکہ بر عالم نشست : نقشہائے پاپ وکاہن راشکست

فاش گویم آنچہ در دل مضمر است : این کتابی نیست چیز دیگر است

چونکہ در جاں رفت جاں دیگر شود : جان چو دیگر شد جہاں دیگر شود

ہمچو حق پیدا و پنہان است ایں : زندہ و پایندہ و گویاست ایں

جب دنیا پر قرآن کا نقش جم گیا تو اس نے پوپ اور کاہن کے نقشے اکھاڑ دیئے۔ جو میرے دل میں پوشیدہ ہے میں صاف صاف کہتا ہوں کہ یہ کتاب نہیں کچھ اور ہی ہے۔ جب یہ جان میں سرایت کرتی ہے تو جان بدل جاتی ہے اور جب جان بدل جاتی ہے تو دنیا بدل جاتی ہے۔ حق کی طرح یہ ظاہر بھی ہے پوشیدہ بھی ہے زندہ بھی ہے مضبوط بھی ہے اور بولتی بھی ہے۔

ہاں - یہ ازلی مہربانی ہے کہ اس کتاب کے ایک معجزہ ہونے اس کے وحی ہونے کو زیادہ نمایاں کرنے کے لیے اسے اپنے بندوں میں سے اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے بندے پر نازل کیا جو یتیم تھا، بے پایا تھا بلکہ ... تھا صحراؤں میں گھومنے والا ایک ایسا شخص تھا جو پڑھے ہوئے نہ تھا جو مدرسے نہیں گیا تھا۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمُ

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور اللہ بڑا ہی فضل کرنے والا ہے۔

تصانیف استاد آیت اللہ شہید مطہری

مطبوعہ

۱ — اصول فلسفہ وروش ریالیسم ۵ جلدیں
۲ — خدمات متقابل اسلام وایران
۳ — عدل الٰہی
۴ — نظام حقوق زن در اسلام
۵ — سیری در نہج البلاغہ
۶ — بیست گفتار
۷ — دہ گفتار
۸ — علل گرایش بہ مادی گری
۹ — جاذبہ و دافعہ علی علیہ السلام
(اردو ترجمہ)
۱۰ — امدادہائے غیبی در زندگی بشر
۱۱ — پیام وانقلاب مہدی علیہ السلام و شہید
(اردو ترجمہ)
۱۲ — انسان و سرنوشت
۱۳ — داستان راستان ۲ حصہ
(اردو ترجمہ)
۱۴ — مسئلہ حجاب
(اردو ترجمہ)
۱۵ — ولاہا وولایت ہا
۱۶ — ختم نبوت
(اردو ترجمہ)
۱۷ — کتاب سوزی ایران ومصر
۱۸ — پیمبر امی
(اردو ترجمہ)
۱۹ — نہضتہائے اسلامی در صد سالہ اخیر
۲۰ — مقدمہ بر جہان بینی اسلامی

۲۱۔ انسان وایمان (اردو ترجمہ)
۲۲۔ جہان بینی توحیدی
۲۳۔ وحی و نبوت
۲۴۔ انسان در قرآن
۲۵۔ جامعہ و تاریخ
۲۶۔ زندگی جاوید یا حیات آخروی
۲۷۔ اخلاق جنسی
۲۸۔ مقالات فلسفی
۲۹۔ علوم انسانی (منطق فلسفہ کلام عرفان اصول)
۳۰۔ حماسہ حسینی دو جلد

• ان کے علاوہ بہت سے تصانیف ابھی طبع نہیں ہوئے بعض زیر طبع ہیں اور بعض کا ترجمہ اردو میں ہو رہا ہے۔